

بیس رکعات تراویح کے دلائل

..... اور.....

منکرین کے اعتراضات کا علمی جائزہ

از قلم: متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ

راقم نے پندرہ دلائل پر مشتمل ایک پوسٹر ”بیس رکعات تراویح کے دلائل“ کے عنوان سے ترتیب دیا تھا جسے علمی اور عوامی حلقوں میں بے حد پذیرائی اور مقبولیت حاصل ہوئی، خصوصاً وہ حضرات جن کو غیر مقلدین کے یہ بے بنیاد دعوے سننے پڑ رہے تھے کہ ”بیس رکعات تراویح کی کوئی دلیل نہیں“ انہیں یہ دلائل دیکھ کر قلبی تشفی ہوئی۔ واللہ الحمد

چاہیے تو یہ تھا کہ یہ فرقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمہم اللہ کے اس عمل پر دلائل سن کر عمل کی راہ اختیار کرتا لیکن افسوس صد افسوس کہ ان دلائل پر بے بنیاد اور غیر سنجیدہ اعتراضات کر کے اس فرقہ نے مسلمانوں کے اس اجماعی موقف پر ہاتھ صاف کرنے کی ناکام کوشش کی اور انکار حدیث کرنے والوں کی صف میں شامل ہونے کی کوشش میں رہا۔

اس فرقہ کے عوام و خواص نے جو اعتراضات ان دلائل پر کیے ہیں ہم ترتیب وار ان کا جائزہ لیتے ہیں تاکہ عامۃ المسلمین کی تشفی اور غیر

مقلدین کی ہدایت کا سامان بنے۔ و ما توفیقی الا باللہ

دلیل نمبر 1:

قَالَ الْإِمَامُ الْحَافِظُ حَمَزَةُ بْنُ يُوسُفَ السَّهْمِيُّ حَدَّثَنَا أَبُو الْحَسَنِ عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ بْنُ أَحْمَدَ الْقَصْرِيُّ الشَّيْخُ الصَّالِحُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَبْدِ الْمُؤْمِنِ الْعَبْدُ الصَّالِحُ قَالَ: أَخْبَرَنِي مُحَمَّدُ بْنُ حُمَيْدٍ الرَّازِيُّ حَدَّثَنَا حُمَيْرُ بْنُ هَارُونَ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْحَنْتَارِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عَتِيكَ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ فِي رَمَضَانَ فَصَلَّى النَّاسَ أَرْبَعَةً وَعِشْرِينَ رَكْعَةً وَأَوْتَرَبَ بِثَلَاثَةٍ.

(تاریخ جرجان لحافظ حمزہ بن یوسف السہمی ص 146)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رمضان شریف کی ایک رات تشریف لائے۔ لوگوں کو چار رکعات فرض، بیس رکعات (تراویح) اور تین رکعات وتر پڑھائے۔

اعتراض نمبر 1:

فرقہ غیر مقلدین نے اس روایت کے دو راویوں پر اعتراض کیا ہے:

1: محمد بن حمید الرازی پر محدثین نے جرح کی ہے۔

2: عمر بن ہارون البلیغی بھی مجروح ہے۔

(ضرب حق: جولائی 2012ء مضمون علیزی)

جواب:

پہلی بات..... اصول حدیث کا قاعدہ ہے کہ جس روایت کے مضمون پر اجماع ہو چکا ہو اور جمہور ائمہ کا تعامل اس کے مطابق ہو تو بعض راویوں کا

ضعف چنداں مضر نہیں ہوتا (اور خیر سے یہ راوی حسن درجہ کے ہیں) بلکہ روایت صحیح شمار ہوتی ہے۔ چنانچہ علامہ ابن حزم فرماتے ہیں:

وإذا ورد حديث مرسل أو في أحد ناقلية ضعيف فوجدنا ذلك الحديث مجعاً على أخذها والقول به علمنا يقيناً أنه حديث صحيح لا شك فيه. (توجيه النظر إلى أصول الأثر: ج 1 ص 141)

کہ جب کوئی مرسل روایت آئے یا کوئی ایسی روایت ہو جس کے راویوں میں سے کسی میں کوئی ضعف ہو لیکن اس حدیث کو لینے اور اس پر عمل کرنے کے سلسلہ میں اجماع واقع ہو چکا ہو تو ہم یقیناً یہ جان لیں گے کہ یہ حدیث ”صحیح“ ہے اور اس میں کوئی شک نہیں۔

چونکہ بیس رکعت تراویح پر اجماع ہے (ملاحظہ ہو راقم کی کتاب ”فضائل ومسائل رمضان“) اس لیے اگر اس حدیث کے کسی راوی میں ضعف بھی ہو تب بھی کوئی مضائقہ نہیں بلکہ ایسی حدیث صحیح شمار ہوگی۔

دوسری بات محمد بن حمید الرازی (ت 248ھ) اور عمر بن ہارون البلیخی (ت 294ھ) کے حالات کا تفصیلی جائزہ لیا جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جہاں بعض حضرات سے جرح منقول ہے وہیں کئی جلیل القدر ائمہ محدثین نے ان کی تعدیل و توثیق اور مدح و ثناء بھی فرمائی ہے۔ دونوں کے متعلق ائمہ کی تعدیل و توثیق پیش خدمت ہے:

محمد بن حمید الرازی (ت 248ھ)

آپ ابو داؤد، ترمذی، ابن ماجہ کے راوی ہیں۔ (تہذیب التہذیب: ج 5 ص 547)

درج ذیل جلیل القدر ائمہ محدثین نے آپ کی تعدیل و توثیق اور مدح فرمائی ہے مثلاً:

1: امام احمد بن حنبل: وثقه (ثقة قرار دیا)۔ (طبقات الحفاظ للسیوطی: ج 1 ص 40)

اور ایک بار فرمایا ”لا يزال بالري علمه مادام محمد بن حميد حياً“۔ (جب تک محمد بن حمید زندہ ہیں مقام ری میں علم باقی رہے گا)

(تہذیب الکمال للزمی: ج 8 ص 652)

2: امام یحییٰ بن معین: ثقة، ليس به باس، رازی کیس [ثقة ہے اس احادیث پر کوئی کلام نہیں، سمجھ دار ہے] (ایضاً)

3: امام جعفر بن عثمان الطیالسی: ثقة۔ (تہذیب الکمال: ج 8 ص 653)

4: علامہ ابن حجر: الحافظ [حافظ ہے]۔ (تہذیب التہذیب: ج 5 ص 547)

5: علامہ بیہقی ایک حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں: ”وفي اسناد بزار محمد بن حميد الرازي وهو ثقة“ [بزار کی سند میں محمد بن حمید الرازی ہے اور وہ ثقة ہے]۔ (مجمع الزوائد: ج 9 ص 475)

6: امام دارقطنی: محمد بن حمید الرازی سے مروی ایک روایت کی سند کو ”اسنادہ حسن“ کہا ہے۔ (سنن الدار قطنی: تحت حدیث 75)

☆ ناصر الدین الالبانی غیر مقلد: محمد بن حمید سے مروی روایت کو ”صحیح“ قرار دیا ہے۔ (سنن ابن ماجہ باحکام الالبانی: تحت حدیث 1301)

عمر بن ہارون البلیخی (ت 294ھ)

آپ ترمذی اور ابن ماجہ کے راوی ہیں۔ (تہذیب التہذیب: ج 4 ص 315 تا 317)

آپ کی تعدیل و توثیق ان ائمہ نے فرمائی ہے۔

1: امام قتیبہ بن سعید: قد وثقه قتيبة وغيره نے اسے ثقة قرار دیا ہے۔ (مجمع الزوائد: ج 1 ص 142)

وقال أيضاً: عمر بن هارون كان صاحب حديث كه عمر بن هارون محدث تھا۔ (سنن الترمذی: تحت حدیث 2762)

2: امام عبد الرحمن بن مہدی: ما قلت فيه الا خيرا کہ میں اس کے بارے میں خیر ہی کی بات کہتا ہوں۔ (تاریخ بغداد: ج 11 ص 189)

اور ”وكان ابن مهدي حسن الراي فيه“ کہ امام عبد الرحمن بن مہدی اس کے بارے میں اچھی رائے رکھتے تھے۔

(سیر اعلام النبلاء ج: 7 ص 148 تا 152)

3: امام بخاری: ”حسن الراي فيه“ کہ امام بخاری عمر بن ہارون کے بارے میں اچھی رائے رکھتے تھے۔ (سنن الترمذی: تحت حدیث 2762)

4: امام ابو عاصم: عمر عندنا احسن اخذا للحدیث من ابن المبارک کہ ہمارے ہاں عمر بن ہارون حدیث کی طلب کے معاملے میں ابن المبارک سے زیادہ بہتر مہارت کے حامل تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ للذہبی ج: 1 ص 248، 249)

5: علامہ ذہبی: الحافظ، الامام، البکثر، عالم خراسان، من اوعية العلم، [علم کا خزانہ تھے] البحدث، وارتحل و صنف و جمع [حصول علم کے اسفار کئے، کتب تصنیف کیں اور احادیث جمع کیں] (تذکرۃ الحفاظ للذہبی ج: 1 ص 248، 249، سیر اعلام النبلاء ج: 7 ص 148 تا 152)

6: حافظ ابن حجر العسقلانی: كان حافظا من كبار التاسعة. کہ آپ نویں طبقہ کے حافظ ہیں۔ (تقریب التہذیب: ترجمہ 4979)

7: امام ابن خزمیہ: اخرج عنه في صحيحه، اپنی صحیح میں ان سے تخریج کی ہے۔ (صحیح ابن خزمیہ: حدیث نمبر 493)

تنبیہ:

اعتراض کرنے والے زبیر علی زئی کے نزدیک ابن خزمیہ کا کسی روایت کو تخریج کرنا اس کی تصحیح شمار ہوتا ہے۔ (دیکھیے: القول المتین:

ص 26 از علی زئی غیر مقلد)

اور عمر بن ہارون البلیخی سے ابن خزمیہ نے روایت لی ہے۔ (حدیث نمبر 493)

لہذا زئی اصول کے تحت بھی یہ راوی قابل احتجاج ہے۔

علی زئی صاحب پر یہ شعر صادق آتا ہے:

وہ تیرگی جو میرے نامہ سیاہ میں تھی ☆☆☆ تمہاری زلف میں پہنچی تو حسن کہلائی

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ محمد بن حمید الرازی اور عمر بن ہارون البلیخی پر جہاں کچھ حضرات کی جرح ملتی ہے وہاں کئی ائمہ محدثین کی تعدیل و توثیق بھی ملتی ہے، اور اصول حدیث کا قاعدہ ہے کہ جس راوی کی ثقاہت و ضعف میں اختلاف ہو تو اس کی روایت حسن درجہ کی ہوتی ہے، چنانچہ قواعد فی علوم الحدیث میں ہے:

اذا كان روات اسناد الحديث ثقات وفيهم من اختلف فيه: اسناد حسن، او مستقیم او لا باس به۔

(قواعد فی علوم الحدیث: ص 75)

ترجمہ: جب کسی حدیث کے راوی ثقہ ہوں لیکن ایک راوی ایسا ہو جس کی تعدیل و توثیق میں اختلاف ہو تو اس حدیث کی سند حسن، مستقیم یا لا باس بہ [مقبول] درجہ کی ہوگی۔

اور یہ قاعدہ کئی محدثین کے ہاں ملتا ہے۔ مثلاً:

1: علامہ منذری (مقدمۃ الترغیب والترہیب ج: 1 ص 4)

2: علامہ زبیلی (نصب الراية ج: 1 ص 62)

3: امام ابن دقیق العید (نصب الراية ج: 1 ص 18)

4: محقق ابن الہمام (فتح القدیر ج: 1 ص 68)

5: علامہ جلال الدین سیوطی (التعقیبات للسیوطی: ص 54)

6: حافظ ابن حجر عسقلانی (تہذیب التہذیب ج: 5 ص 260 ترجمہ عبد اللہ بن صالح)

لہذا اصولی طور پر یہ روایت ”حسن“ درجہ کی ہے۔ مزید یہ کہ یہ روایت اس لحاظ سے بھی بے حد قوی اور ٹھوس ہے کہ عہد فاروقی اور عہد علوی میں مسلمانوں کا عمل اسی کے موافق رہا ہے (حوالہ جات آگے آرہے ہیں)، ائمہ اربعہ کے اقوال بھی اسی کے موافق ہیں اور عہد فاروقی کے بعد پوری امت کا عمل بھی اسی کے موافق رہا ہے۔ ان باتوں کے بعد یہ حدیث اس قدر قوی ہو جاتی ہے کہ غیر مقلدین کا اسے ”ضعیف“ وغیرہ کہہ کر جان چھڑانا ممکن سی بات ہو جاتی ہے۔

اعترض نمبر 2:

بعض غیر مقلدین نے یہ اشکال کیا ہے:

”گھسن نے ترجمہ میں بددیانتی کی ہے۔ چار رکعت فرض کا اپنی طرف سے اضافہ کیا ہے کیونکہ اس روایت سے چوبیس رکعات تراویح کا ثبوت ملتا تھا۔“ (الحديث ش 76 ص 33)

جواب:

راقم نے سہ ماہی مجلہ ”قافلہ حق“ ج: 4 ش: 3 میں ایک تحقیقی مضمون ”مسئلہ 20 تراویح... دلائل کی روشنی میں“ تحریر کیا تھا۔ بعض آل حدیث نے الحدیث ش 76 میں بازاری زبان استعمال کر کے اس پر لایینی اعتراض کئے جن میں سے ایک اعتراض یہی تھا جس کا جواب ادارہ کی جانب سے اگلے شمارہ میں دے دیا گیا، افادۃ پیش خدمت ہے:

”حدیث مبارک کے متن میں الفاظ موجود ہیں [اربعة وعشرين ركعة واوتر بثلاثة] اس میں جماعت کے ساتھ ادا کی گئی مکمل نماز کا ذکر ہے اور یہ ہر وہ شخص سمجھتا ہے جو عقل کی نعمت سے محروم نہ کر دیا گیا ہو کہ رمضان المبارک میں امام پہلے باجماعت چار فرض اور پھر بیس رکعات تراویح اور آخر میں تین رکعات وتر پڑھاتا ہے۔ رکعات کی ایسی توجیہ اور وضاحت خود محدثین و شارحین کا طریقہ ہے جن سے غیر مقلدین نا آشنا ہیں۔ چند محدثین کی اس طرز کی وضاحت پیش خدمت ہے۔

1: امام ابن بطلال م 449ھ نے حضرت عطاء بن ابی باح سے ”یصلون ثلاثا وعشرين ركعة“ نقل کیا یعنی وہ حضرات 23 رکعات ادا فرماتے تھے اور پھر یوں وضاحت فرمائی ”الوتر منها ثلاثا“ کہ ان میں تین رکعات وتر ہے۔ (شرح البخاری لابن بطلال ج 3 ص 146)

2: امام ابن عبد البر م 463ھ نے سائب بن یزید سے ”وكان القيام على عهدنا [يعني على عهد عمر] بثلاث وعشرين ركعة“ یعنی حضرت عمر کے زمانہ مبارک میں 23 رکعت ادا کی جاتی تھیں اور اس کے بعد فرماتے ہیں کہ ”وهذا محمول على ان الثلاث للوتر“ یہ اس بات پر محمول ہے کہ تین رکعات وتر ہوتے تھے۔

(التمهيد لابن عبد البر ج 3 ص 519، الاستذكار لابن عبد البر ج 2 ص 96 ومثله في عمدة القاری علی البخاری لحافظ العینی عن ابن عبد البر ج 8 ص 245)

3: امام ابن عبد البر نے ہی سیدنا اب عباس سے مرفوعاً یہ الفاظ تخریج فرمائے ہیں کہ ”كان يصل في رمضان عشرين ركعة“ کہ آپ رمضان میں بیس رکعات ادا فرماتے تھے اس کے بعد فرماتے ہیں کہ ”وهذا ايضا سوى الوتر اوريه وتر کے علاوہ کی نماز ہے۔ (التمهيد: ج 4 ص 519)

4: امام ابن حجر ج 852ھ نے سیدنا سائب بن یزید سے ”عشرين ركعة“ نقل فرمایا اور پھر یوں وضاحت فرمائی کہ ”وهذا محمول على غير الوتر اوريه وتر کے علاوہ پر محمول ہے۔ (فتح الباری ج 4 ص 321)

غیر مقلدین کی خدمت میں ”عرض“ ہے کہ یہ بددیانتی راقم کے حصہ میں آتی ہے یا دیگر محدثین و شارحین کو بھی اس کا حصہ ملے گا؟!

فوالسفا...

دلیل نمبر 2:

قَالَ الْإِمَامُ الْحَافِظُ الْمُحَدِّثُ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ بْنِ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ قَالَ أَنَا إِبرَاهِيمُ بْنُ عُثْمَانَ عَنْ الْحَكَمِ عَنْ مَقْسَمٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي فِي رَمَضَانَ عَشْرِينَ رَكْعَةً وَالْوُتْرَ.

(مصنف ابن ابی شیبہ ج 2 ص 286؛ معجم کبیر طبرانی ج 5 ص 433)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان شریف میں بیس رکعات نماز (تراویح) اور وتر پڑھتے تھے۔

اعتراض:

علیزئی صاحب غیر مقلد نے لکھا: ”هذا حديث ضعيف“ (تعداد رکعات قیام رمضان: ص 28)

نیز اس کے ایک راوی ابراہیم بن عثمان پر جرح بھی کی ہے۔ (ماہنامہ ضرب حق سرگودھا: جولائی 2012ء)

یہی کچھ غلام مصطفیٰ غیر مقلد نے لکھا ہے۔ (آٹھ رکعت نماز تراویح: ص 6)

جواب:

اولاً:۔۔۔ ”ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ العنسی“ جن پر غیر مقلدین نے نقل جرح کی ہے وہ اتنا بھی مجروح نہیں کہ اس کی روایت کو رد کر دیا جائے، بلکہ بعض محدثین سے اس کی تعدیل و توثیق اور مدح و ثناء بھی ثابت ہے۔

1: امام شعبہ بن الحجاج (م 160ھ) نے ابوشیبہ سے روایت لی ہے۔ (تہذیب الکمال للزمی: ج 1 ص 268، تہذیب التہذیب: ج 1 ص 136)

اور غیر مقلدین کے ہاں اصول ہے کہ امام شعبہ اس راوی سے روایت لیتے ہیں جو ثقہ ہو اور اس کی احادیث صحیح ہوں۔

(القول المقبول فی شرح صلوۃ الرسول از ابو عبد السلام: ص 386، نیل الاوطار: ج 1 ص 16)

اگر ابوشیبہ اتنا ضعیف راوی ہوتا جتنا غیر مقلدین کہتے ہیں تو پھر امام شعبہ ان سے روایت نہ لیتے۔

2: امام بخاری رحمہ اللہ کے استاذ الاساتذہ حضرت یزید بن ہارون رحمہ اللہ، ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ کے زمانہ قضاۃ میں ان کے کاتب تھے اور ان کے

بڑے مداح تھے، فرماتے ہیں: ”ما قضی علی الناس یعنی فی زمانہ اعدل فی قضاء منہ“ (تہذیب الکمال ج 1 ص 270)

ترجمہ: ابراہیم بن عثمان کے زمانہ قضاۃ میں ان سے بڑھ کر کوئی قاضی نہیں ہوا۔

3: امام ابن عدی فرماتے ہیں: لہ احادیث صالحۃ (تہذیب الکمال ج 1 ص 270)

ترجمہ: ابوشیبہ کی احادیث درست ہیں۔

مزید فرماتے ہیں: وهو وإن نسبوا إلى الضعف خير من إبراهيم بن أبي حية. (تہذیب الکمال ج 1 ص 270)

ترجمہ: لوگوں نے ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ کی طرف ضعیف ہونے کی نسبت کی ہے، لیکن یہ ابراہیم بن ابی حیہ سے بہتر ہے۔

اور ابراہیم بن ابی حیہ کے بارے میں امام یحییٰ بن معین فرماتے ہیں: ثقة کبیر، (لسان المیزان ج 1 ص 52 رقم الترمذی 127)

ترجمہ: یہ شیخ ہیں اور بڑے ثقہ ہیں۔

تو جب ابراہیم بن ابی حیہ امام یحییٰ بن معین کے ہاں ثقہ ہے تو ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ حد درجہ ضعیف کیوں؟ اور اس کی حدیث ضعیف

کیوں؟!

ثانیاً:۔۔۔ ابراہیم بن عثمان پر کی گئی جرح میں سے بعض جرح مبہم و غیر مفسر ہیں اور بعض جرح غیر مقبول اور مردود بھی ہیں۔ مثلاً زئی صاحب

نے لکھا ہے: ”اسے شعبہ نے جھوٹا کہا ہے۔“ (تعداد رکعات قیام رمضان: ص 29)

لیکن علامہ ذہبی اور حافظ ابن حجر کی پوری عبارت سامنے رکھنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ امام شعبہ کی یہ جرح ناقابل قبول ہے۔ خود علامہ

ذہبی کے ہاں بھی یہ جرح غلط ثابت ہوتی ہے۔ عبارت یہ ہے:

كذبہ شعبۃ لكونہ روى عن الحكم عن ابن ابى لیلیٰ انه قال شهد صفین من اهل بدر سبعون فقال شعبۃ كذب والله
لقد ذاكرت الحكم فما وجدنا شهد صفین احدا من اهل بدر غیر خزيمة۔ قلت: سبحان الله! اما شهد ها علی؟ اما شهد ها
عمار؟ (میزان الاعتدال للذہبی: ج 1 ص 84)

ترجمہ: امام شعبہ نے ابراہیم بن عثمان کو جھوٹا اس وجہ سے کہا ہے کہ اس نے حکم سے روایت کی کہ ابن ابی لیلیٰ نے کہا جنگ صفین میں ستر بدری صحابہ شامل تھے۔ شعبہ نے کہا واللہ! ابراہیم بن عثمان نے تو جھوٹی بات کہی ہے۔ میں نے خود امام حکم سے مذاکرہ کیا تو سوائے حضرت خزیمہ کے کسی کو اہل بدر سے نہیں پایا۔ میں (ذہبی) کہتا ہوں: سبحان اللہ! کیا صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ حاضر نہ تھے؟ کیا صفین میں حضرت عمار رضی اللہ عنہ حاضر نہ تھے؟

اس تفصیل سے امام شعبہ کی تکذیب کی حقیقت واضح ہو گئی کہ انہوں نے تکذیب صرف اس وجہ سے کی تھی کہ ابراہیم نے حکم کے واسطے سے ابن ابی لیلیٰ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ صفین میں ستر بدری صحابہ شریک تھے۔ تو اس سے ابراہیم کا جھوٹا ہونا کیسے ثابت ہوتا ہے؟ بلکہ جھوٹ تو اس وقت ثابت ہوتا کہ جب شعبہ حکم کے پاس مذاکرہ کرنے گئے تو حکم سرے سے اس بیان کا انکار کر دیتے لیکن حکم اس کا انکار نہیں کرتے، بلکہ مذاکرہ سے صرف ایک صحابی ثابت ہوا۔ معلوم ہوا کہ امام حکم نے بیان کیا تھا لیکن اب وہ ستر کا عدد ثابت نہ کر سکے۔ تو اس میں ابراہیم کا کیا قصور ہے؟! علاوہ ازیں علامہ ذہبی نے بھی امام شعبہ کے اس بیان کو یوں رد کر دیا کہ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ بھی تو یقیناً شریک تھے۔ تو پھر متعین ایک ہی کیسے ثابت ہوا کم سے کم تین کہیے۔ یعنی اس طرح اور تحقیق کر لیجیے ممکن ہے اور نکل آئیں۔ معلوم ہوا کہ امام ذہبی کے نزدیک بھی شعبہ کی یہ جرح مردود ہے، لیکن علی زئی صاحب کی ”دیانت“ کو بھی داد دیجیے۔

ثالثاً:۔۔۔ ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ پر کچھ کلام بھی کیا گیا ہے اور اسے ضعیف بھی بتلایا گیا ہے لیکن یہ اتنا بھی ضعیف نہیں کہ اس کی روایت کو مطلقاً ترک کر دیا جائے بلکہ دیگر مؤیدات کی وجہ سے (جن کا بیان آگے آ رہا ہے) یہ روایت اس قدر مستحکم و قوی ہو جاتی ہے کہ ضعیف کہہ کر جان چھڑانا ناممکن سی بات ہے۔ چنانچہ چنانچہ محدث شبیر حضرت مولانا حبیب الرحمن اعظمی فرماتے ہیں:

”ابوشیبہ کی یہ حدیث چاہے اسناد کے لحاظ سے ضعیف ہو مگر اس لحاظ سے وہ بے حد قوی اور ٹھوس ہے کہ عہد فاروقی کے مسلمانوں کا اعلانیہ عمل اس کے موافق تھا یا کم از کم آخر میں وہ لوگ اسی پر جم گئے اور روایتوں سے حضرت علی کے زمانہ کے مسلمانوں کا عمل بھی اسی کے موافق ثابت ہوتا ہے اور ہر چار ائمہ مجتہدین کے اقوال بھی اسی کے مطابق ہیں اور عہد فاروقی کے بعد سے ہمیشہ امت کا عمل بھی بلا اضافہ یا اضافہ کے ساتھ اس کے موافق رہا ہے ان باتوں کے انضمام سے ابوشیبہ کی حدیث اس قدر قوی و مستحکم ہو جاتی ہے کہ اس کے بعد اس کو ضعیف کہہ کر جان چھڑانا ناممکن سی بات ہو جاتی ہے“ (رکعات تراویح ص 60)

جواب نمبر 2:

اس روایت کو تلقی بالقبول حاصل ہے (یعنی امت اس پر عمل کرتی چلی آرہی ہے اور آج تک بیس رکعت پر عمل پیرا ہے۔ ملاحظہ ہو مسجد نبوی کے مشہور مدرس اور مدینہ منورہ کے سابق قاضی شیخ عطیہ سالم کی کتاب ”التراویح اکثر من الف عامہ“ جس میں انہوں نے ثابت کیا ہے کہ مسجد نبوی میں چودہ سو سالہ مدت میں بیس رکعت تراویح متواتر عمل ہے اس سے کم ثابت نہیں) اور قاعدہ ہے کہ اگر کسی روایت کو تلقی بالقبول حاصل ہو جائے تو روایت صحت کا درجہ پالیتی ہے۔

1: امام شافعی (204ھ) فرماتے ہیں: حدیث لا وصیہ لوارث إنہ لا یثبتہ اهل الحدیث ولكن العامہ تعلقته بالقبول وعملوا به حتی

جعلوه ناسخاً (آية الوصية له). (فتح المغیث شرح ألفیة الحديث للسحاوی ج 1 ص 289)

ترجمہ: محدثین اس حدیث کو [صحیح سند کے ساتھ] ثابت نہیں مانتے لیکن عامہ علماء نے اس کو قبول کر لیا ہے اور اس پر عمل کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ انھوں نے اس حدیث کو آیت وصیت کا ناسخ قرار دیا ہے۔

2: امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ (911ھ) فرماتے ہیں:

قال بعضهم يحكم للحديث بالصحة اذا تلقاه الناس بالقبول وان لم يكن له اسناد صحيح. (تدريب الراوی ص 29)

بعض محدثین فرماتے ہیں کہ حدیث پر صحیح ہونے کا حکم اس وقت بھی لگایا جائے گا جب امت اس کو قبول کر لے، اگرچہ اس کی سند صحیح نہ ہو۔

3: حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وذهب بعضهم الى ان الحديث اذا تأيد بالعمل ارتقى من حال الضعف الى مرتبة القبول. قلت: وهو الوجه عندی. (فيض الباری شرح البخاری: ج 3، ص: 409 کتاب الوصایا، باب الوصية لوارث)

ترجمہ: بعض محدثین کی رائے یہ ہے کہ حدیث کی تائید جب عمل کے ساتھ ہو تو درجہ ضعف سے درجہ قبولیت پالیتی ہے۔ میں (علامہ کشمیری رحمہ اللہ) کہتا ہوں کہ یہی رائے میرے ہاں زیادہ پسندیدہ ہے۔

4: غیر مقلد عالم ثناء اللہ امرتسری نے اعتراف کیا: ”بعض ضعف ایسے ہیں جو امت کی تلقی بالقبول سے رفع ہو گئے ہیں“

(اخبار اہل حدیث مورخہ 19 اپریل 1907 بحولہ رسائل اعظمی ص 331)

لہذا یہ روایت تلقی بالقبول ہونے کی وجہ سے یہ روایت صحیح و حجت ہے۔

جواب نمبر 3:

اس حدیث کو ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ سے روایت کرنے والے چار محدث ہیں۔

1: یزید بن ہارون: (مصنف ابن ابی شیبہ ج 2 ص 284 باب کم یصلی فی رمضان من رخصۃ)

2: علی بن جعد: (المجم الکبیر للطبرانی ج 5 ص 433 رقم 11934)

3: ابو نعیم فضل بن دکین: (المنتخب من مسند عبد بن حمید ص 218 رقم 653)

4: منصور بن ابی مزاحم: (السنن الکبری للبیہقی ج 2 ص 496 باب ما روى فی عَدِ رَكَعَاتِ الْقِيَامِ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ)

اور یہ چاروں حضرات ثقہ ہیں۔

1: یزید بن ہارون: ثقہ، متقن۔ (تقریب التہذیب ص 638)

2: علی بن جعد: ثقہ، صدوق۔ (سیر اعلام النبلاء ج 10 ص 466)

3: ابو نعیم فضل بن دکین: الحافظ الکبیر، ثقہ ثبت۔ (تقریب التہذیب ص 475)

4: منصور بن ابی مزاحم: ثقہ۔ (تقریب التہذیب ص 576)

ان ثقہ و عظیم محدثین کا ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ سے بیس رکعت نقل کرنے میں متفق ہونا قوی تائید ہے کہ یہ حدیث ثابت و صحیح ہے

ورنہ یہ ثقہ حضرات اس طرح متفق نہ ہوتے۔

دلیل نمبر 3:

عَنْ أَبِي بَنْ كَعْبٍ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ أَمَرَ أَبَا بَنْ كَعْبٍ أَنْ يُصَلِّيَ بِاللَّيْلِ فِي رَمَضَانَ فَقَالَ إِنَّ النَّاسَ يَصُومُونَ النَّهَارَ لَا يُحْسِنُونَ أَنْ يَقْرَأُوا فَلَوْ قَرَأْتَ الْقُرْآنَ عَلَيْهِمْ بِاللَّيْلِ فَقَالَ: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ! هَذَا شَيْءٌ لَمْ يَكُنْ. فَقَالَ: قَدْ عَلِمْتُ وَلَكِنَّهُ أَحْسَنُ. فَصَلَّى بِهِمْ عَشْرِينَ رَكْعَةً

(اتحاف الخيرة المهرة على المطالب العاليه ج 2 ص 424)

ترجمہ: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مجھے حکم دیا کہ میں رمضان شریف کی رات میں نماز (تراویح) پڑھاؤں! حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ”لوگ دن کو روزہ رکھتے ہیں اور (رات) قرأت (قرآن) اچھی نہیں کرتے۔ تو قرآن مجید کی رات کو تلاوت کرے تو اچھا ہے۔“ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”اے امیر المؤمنین! یہ تلاوت کا طریقہ پہلے نہیں تھا۔“ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”میں جانتا ہوں لیکن یہ طریقہ تلاوت اچھا ہے۔“ تو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو بیس رکعات نماز (تراویح) پڑھائی۔

اعترض نمبر 1:

آل حدیث نے لکھا: ”یہ روایت اتحاف الخيرة المهرة للبوصیدی میں بغیر کسی سند کے احمد بن منیع کے حوالے مذکور ہے۔ سرفراز صفدر ویو بندی لکھتے ہیں کہ ”بے سند بات حجت نہیں ہو سکتی“ (مقدار رکعات قیام رمضان ص 74 از زئی غیر مقلد) غلام مصطفیٰ ظہیر نے بازاری زبان استعمال کرتے ہوئے لکھا: ”بے سند روایات وہی پیش کرتے ہیں جنکی اپنی کوئی سند نہ ہو۔“ (آٹھ رکعت نماز تراویح ص 8)

جواب:

اللہ تعالیٰ جناب کو اخلاق حسنہ عطا فرمائے، الاحادیث المختارة للمقدسی میں یہ روایت سند کے ساتھ موجود ہے۔ جناب کی ”تسلی“ کے لئے سند پیش خدمت ہے:

أخبرنا أبو عبد الله محمود بن أحمد بن عبد الرحمن الثقفي بأصبهان أن سعيد بن أبي الرجاء الصيرفي أخبرهم قراءة عليه أنا عبد الواحد بن أحمد البقال أنا عبيد الله بن يعقوب بن إسحاق أنا جدي إسحاق بن إبراهيم بن محمد بن جميل أنا أحمد بن منيع أنا الحسن بن موسى نا أبو جعفر الرازي عن الربيع بن أنس عن أبي العالية عن أبي بن كعب أن عمر أمر أبا أن يصلي بالناس في رمضان الحديث

[الاحاديث المختارة للمقدسي ج 3 ص 367 رقم 1161]

اعترض نمبر 2:

علی زئی غیر مقلد نے لکھا: ”اس گھمنی ”دلیل“ کے راوی ابو جعفر الرازی کی ربیع بن انس سے روایت میں بہت اضطراب ہوتا ہے... اور یہ بھی اسی سند سے ہے، لہذا ضعیف ہے۔“ (ماہنامہ ضرب حق سرگودھا: جولائی 2012ء، انوار الصحیفہ ص 15 از علی زئی)

جواب:

قارئین کرام! آپ غیر مقلدین کی ”تہذیب“ ملاحظہ فرمائیں اثر خلیفہ راشد کے لیے کس طرز کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ کیا یہی اخلاق محمدی ہیں؟! اگر اسی کا نام ”عمل بالحدیث“ ہے تو یہ غیر مقلدین کو مبارک.... خیر جواب پیش خدمت ہے۔
اولاً: ... ابو جعفر الرازی صالح الحدیث، ثقہ اور صدوق ہیں۔ ابن حبان نے ثقات میں شمار کیا ہے اور امام ذہبی فرماتے ہیں کہ میں نے ان کی تضعیف کرتے کسی کو نہیں پایا۔ (بذل الجہود ج 2 ص 223)

اور ربیع بن انس کو امام عیسیٰ اور ابو حاتم رازی نے ثقہ کہا ہے۔ امام نسائی فرماتے ہیں اس کی حدیث میں کوئی اعتراض نہیں۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ج 2 ص 201)

نیز خود زبیر علی زئی نے ایک مقام پر لکھا ہے: ”خالد بن یزید العنکی، ابو جعفر الرازی اور ربیع بن انس تینوں جمہور محدثین کی توثیق کی وجہ

سے حسن الحدیث تھے۔“ (الحديث: شماره 72 ص 5)

ثانیاً: ... ابو جعفر رازی عن الربیع بن انس کی سند کو محققین اور خود غیر مقلدوں کے ”بزرگوں“ نے صحیح قرار دیا ہے مثلاً:

1: علامہ سیوطی: حضرت ابی ابن کعب کے ایک نسخہ کا ذکر کر کے جس کی سند ”أَبُو جَعْفَرٍ الرَّازِيُّ عَنِ الرَّبِيعِ بْنِ أَنَسٍ“ ہے، فرماتے ہیں:

وهذا إسناد صحيح. (الاتقان في علوم القرآن للسيوطي: ج 2 ص 498 طبقة التابعين)

2: محمد حسین الذہبی: ایک روایت جس کی سند ”أَبُو جَعْفَرٍ الرَّازِيُّ عَنِ الرَّبِيعِ بْنِ أَنَسٍ“ ہے، نقل کر کے فرماتے ہیں:

وهذه طريق صحيحة. (التفسير والمفسرون ج 2 ص 24)

3: امام بیہقی ایک سند کے متعلق امام ابو عبد اللہ کا قول نقل کرتے ہیں جس میں ابو جعفر الرازی ربیع بن انس سے روایت کرتے ہیں:

هَذَا إِسْنَادٌ صَحِيحٌ. (السنن الكبرى: ج 2 ص 201)

4: البانی صاحب اس جیسی سند کے متعلق لکھتے ہیں: ”صحیح“۔ (سنن ابی داؤد باحکام الالبانی: تحت ح 2573)

5: حاشیہ الاحادیث المختارة: کئی مقامات پر ایسی سند کو ”إسنادة حسن“ لکھا جس میں ابو جعفر الرازی ربیع بن انس سے روایت کرتے ہیں۔

(حاشیہ الاحادیث المختارة: إسناده حسن رقم الحديث 2119)

6: امام ابو عبد اللہ الحاکم اس جیسی سند کے متعلق لکھتے ہیں:

صحيح الإسناد. (المستدرک: ج 2/ ص 434 ح 3510)

ثالثاً: ... اعتراض کرنے والے جناب زیر علی زئی صاحب کے نزدیک ضیاء مقدسی کا کسی روایت کو ”الاحادیث المختارة“ میں تخریج کرنا اس روایت

کی تصحیح شمار ہوتا ہے۔ (دیکھیے: تعداد رکعت قیام رمضان: ص 23)

اور یہی روایت ضیاء المقدسی نے الاحادیث المختارة میں تخریج کی ہے۔ (حدیث نمبر 1161)

لہذا زئی اصول کے تحت بھی یہ روایت صحیح ہے۔

علی زئی صاحب پر یہ شعر صادق آتا ہے:

الجھاپے پاؤں یار کا زلفِ دراز میں ☆☆☆ لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا

رابعاً: ... غیر مقلدین کے ممدوح علامہ ابن تیمیہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے بیس رکعت پڑھانے کو ثابت مانتے ہیں، چنانچہ لکھتے ہیں:

قد ثبت ان ابی بن کعب کان یقوم بالناس عشرين ركعة ويوتر بثلاث فرأى اكثر من العلماء ان ذلك هو السنة لانه

قام بين المهاجرين والانصار ولم ينكره منكر.

(فتاویٰ ابن تیمیہ قدیم ص 186/ ج 1، فتاویٰ ابن تیمیہ جدید ص 112 ج 23)

ترجمہ: یہ بات ثابت ہے کہ حضرت ابی بن کعب لوگوں کو بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر پڑھاتے تھے۔ اس لئے علماء کی اکثریت کی رائے

میں بیس ہی سنت ہیں کیونکہ حضرت ابی بن کعب نے بیس رکعت مہاجرین اور انصار صحابہ کے سامنے پڑھائی ہیں اور کسی نے بھی (بیس تراویح کے

سنت ہونے کا) انکار نہیں کیا۔

لہذا غیر مقلدین کا اعتراض باطل ہے۔

دلیل نمبر 4:

قَالَ الْإِمَامُ الْحَافِظُ الْمُحَدِّثُ عَلِيُّ بْنُ الْجَعْدِ الْجَوْهَرِيُّ أَنَا ابْنُ أَبِي ذُئْبٍ عَنْ يَزِيدَ بْنِ خُصَيْفَةَ عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ كَانُوا

يَقُومُونَ عَلَى عَهْدِ عُمَرَ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ بِعَشْرِينَ رَكْعَةً وَإِنْ كَانُوا الْيَقْرُؤُونَ بِالْمِائِينَ مِنَ الْقُرْآنِ -

(مسند ابن الجعد ص 413، معرفۃ السنن والآثار للبیہقی: ج 2 ص 305)

ترجمہ: حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں رمضان شریف کے مہینہ میں بیس رکعات (نماز تراویح) پابندی سے پڑھتے اور قرآن مجید کی دو سو آیات پڑھتے تھے۔
تحقیق السند: اس کی سند بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔

اعتراض:

آل حدیث نے لکھا:

- 1: یہ روایت شاذ ہے... شاذ روایت ضعیف ہوتی ہے۔
- 2: موطا مالک کی محفوظ روایت میں آیا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور سیدنا تمیم الداری رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ لوگوں کو گیارہ رکعات پڑھائے۔

(ضرب حق: جولائی 2012ء مضمون علیزی)

بعض الناس نے لکھا: یزید بن خصیفہ نے محمد بن یوسف کی مخالفت کی ہے۔ (الحديث شماره 76 ص 40، مضمون زبیر صادق آبادی)

جواب:

اس اعتراض کے جواب کے لیے تین باتوں کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

- 1: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں تعداد رکعات تراویح
- 2: ”یزید بن خصیفہ عن السائب بن یزید“ کے طریق کی اسنادی حیثیت
- 3: کیا یزید بن خصیفہ نے محمد بن یوسف کی مخالفت کی ہے؟

پہلی بات:

جہاں تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں تراویح کی رکعات کا تعلق ہے تو وہ بلاشبہ بیس ہیں (مضطرب اور ضعیف روایات کا کوئی اعتبار نہیں) تفصیل یہ ہے:

- 1: روایت حضرت ابی بن کعب... 20 رکعات (ملاحظہ ہو دلیل نمبر 3-اسنادہ صحیح)
 - 2: روایت سائب بن یزید... 20 رکعات (زیر نظر روایت-اسنادہ صحیح علی شرط البخاری)
 - 3: روایت محمد بن کعب القرظی... 20 رکعات (قیام اللیل للمروزی: ص 157-قد احتج بہ المروزی و هو صحیح عنده)
 - 4: روایت یزید بن رومان... 20 رکعات (موطا امام مالک: ص 98-اسنادہ صحیح علی شرط البخاری و مسلم)
 - 5: روایت یحییٰ بن سعید... 20 رکعات (مصنف ابن ابی شیبہ: ج 2 ص 285-اسنادہ صحیح علی شرط البخاری و مسلم)
 - 6: روایت عبد العزیز بن رفیع... 20 رکعات (مصنف ابن ابی شیبہ: ج 2 ص 285-اسنادہ صحیح)
 - 7: روایت حسن بصری... 20 رکعات (سنن ابی داؤد: ج 1 ص 211-اسنادہ صحیح)
- لہذا فرقہ اہل حدیث کا ”گیارہ رکعات“ کو محفوظ اور ”بیس رکعات“ کو شاذ گردانا باطل ہے۔

دوسری بات:

”یزید بن خصیفہ عن السائب بن یزید“ کے طریق کی اسنادی حیثیت

- 1: عَلِيُّ بْنُ الْجَعْدِ الْجَوْهَرِيُّ أَمَّا ابْنُ أَبِي ذَنْبٍ عَنْ يَزِيدَ بْنِ خُصَيْفَةَ عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ الْح (مسند ابن الجعد ص 413)

تحقیق السند: اسنادہ صحیح علی شرط البخاری

2: أَبُو بَكْرٍ الْبَيْهَقِيُّ: أَخْبَرَنَا أَبُو عَبْدِ اللَّهِ الْحُسَيْنُ بْنُ مُحَمَّدٍ بْنِ الْحُسَيْنِ بْنِ فَجْوَيْهِ الدِّيَمَوْرِيُّ بِالدِّامَغَانِ ثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ بْنِ إِسْحَاقَ السِّنِّيَّ أَنْبَأَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ الْبَغَوِيُّ ثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْجَعْدِ أَنْبَأَ ابْنُ أَبِي ذَنْبٍ عَنْ يَزِيدَ بْنِ خُصَيْفَةَ عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ الْخ (السنن الکبری للبیہقی ج 2 ص 496)

تحقیق السند: امام نووی فرماتے ہیں: اسناد صحیح. (خلاصۃ الاحکام: تحت ج 1961)

3: روى مالك من طريق يزيد بن خصيفة عن السائب بن يزيد عشرين ركعة. (نيل الاوطار للشوكاني ج 2 ص 514)

تحقیق السند: اسنادہ صحیح علی شرط البخاری و مسلم

نوٹ: یہ طریق صحیح البخاری ج 1 ص 312 پر موجود ہے۔ ولہ الحمد

تیسری بات:

کیا یزید بن خصیفہ نے محمد بن یوسف کی مخالفت کی ہے؟ اس پر تفصیلی کلام پیش خدمت ہے۔

تعداد رکعت کے حوالے سے حضرت سائب بن یزید سے روایت کرنے والے تین راوی ہیں:

1: یزید بن خصیفہ ... 20 رکعات (مسند ابن الجعد)

2: حارث بن عبد الرحمن ابی ذباب ... 23 رکعات [وتر سمیت] (مصنف عبد الرزاق)

3: محمد بن یوسف (تفصیل آگے آرہی ہے)

سائب بن یزید کے تین شاگردوں میں سے یزید بن خصیفہ 20 رکعات اور حارث بن عبد الرحمن ابی ذباب 23 رکعات [مع الوتر] نقل

کرتے ہیں، البتہ محمد بن یوسف نے دو باتوں میں اختلاف کیا ہے۔

1: یزید بن خصیفہ اور حارث بن عبد الرحمن ابی ذباب قاریوں کی تعداد نہیں بتاتے لیکن محمد بن یوسف نے بتائی ہے کہ دو تھے؛ ابی بن کعب اور تمیم

داری۔

2: یزید بن خصیفہ اور حارث بن عبد الرحمن ابی ذباب تراویح میں ہی نقل کرتے ہیں لیکن محمد بن یوسف نے تراویح کی تعداد گیارہ، تیرہ اور اکیس

نقل کی۔

محمد بن یوسف کے شاگردوں کی تفصیل کچھ یوں ہے:

1: امام مالک ... 11 رکعات (موطا امام مالک)

2: یحییٰ بن سعید القطان ... 11 رکعات (مصنف ابن ابی شیبہ)

3: عبد العزیز بن محمد الدرّاوزی ... 11 رکعات (سعید بن ابی منصور)

4: محمد بن اسحاق ... 13 رکعات (قیام اللیل للروزی)

5: داؤد بن قیس وغیرہ ... 21 رکعات (مصنف عبد الرزاق)

اس سے واضح ہوتا ہے کہ محمد بن یوسف کے پانچوں شاگردوں کے بیانات عدد و کیفیت کے لحاظ سے باہم مختلف ہیں کہ ...

۱: پہلے تین شاگرد گیارہ نقل کرتے ہیں اور محمد بن اسحاق تیرہ، جبکہ پانچواں شاگرد داؤد بن قیس اکیس رکعات نقل کرتا ہے۔

۲: امام مالک کی روایت میں گیارہ رکعت پڑھانے کا حکم ہے عمل کا ذکر نہیں، یحییٰ القطان کی روایت میں حکم کا ذکر نہیں، عبد العزیز بن محمد کی روایت

میں گیارہ رکعت تو ہیں لیکن نہ حکم ہے اور نہ ابی بن کعب اور تمیم داری کا ذکر۔ محمد بن اسحاق کی روایت میں تیرہ رکعت کا ذکر ہے لیکن نہ حکم ہے اور نہ ابی و تمیم کا ذکر، اور داؤد بن قیس کی روایت میں حکم تو ہے لیکن گیارہ کی بجائے اکیس کا ذکر ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ محمد بن یوسف کی یہ روایت شدید اضطراب کا شکار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ محققین نے اسے وہم راوی قرار دیا ہے۔ چنانچہ ابن عبد البر لکھتے ہیں:

ان الاغلب عندی ان قوله احدى عشرة وهم (الزرقانی شرح موطا: ج 1 ص 215)

ترجمہ: میرے نزدیک رائج یہی ہے کہ راوی کا قول ”احدی عشرۃ“ [گیارہ رکعت] وہم ہے۔

خلاصہ کلام:

- 1: یزید بن خصیفہ عن السائب بن یزید والی روایت صحیح و محفوظ ہے، شاذ کہنا غلط ہے۔
- 2: یزید بن خصیفہ کو محمد بن یوسف کا مخالف ٹھہرانا غلط ہے، کیونکہ یزید بن خصیفہ دیگر راویوں کی طرح بیس رکعت نقل کرتا ہے اور محمد بن یوسف کی روایت خود محققین کی نظر میں مضطرب اور وہم ہے اور بقاعدہ ”والاضطراب یوجب ضعف الحدیث“ (تقریب النووی مع شرحہ التدریب: ص 234) محمد بن یوسف والی روایت ضعیف ٹھہرتی ہے۔
- 3: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بیس رکعت تراویح صحیح اسانید کے ساتھ ثابت ہے۔ واللہ الحمد

دلیل نمبر 5:

قَالَ الْإِمَامُ الْحَافِظُ الْمُحَدِّثُ أَبُو بَكْرِ الْبَيْهَقِيُّ أَخْبَرَنَا أَبُو عَبْدِ اللَّهِ الْحُسَيْنُ بْنُ مُحَمَّدٍ بْنِ الْحُسَيْنِ بْنِ فَجْوَیْهِ الدِّیْنَورِیُّ بِالْأَمَّانِ ثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ بْنِ إِسْحَاقَ السِّنِّیُّ أَنْبَأَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ بْنُ عَبْدِ الْعَزِیزِ الْبَغَوِیُّ ثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْجَعْدِ أَنْبَأَ ابْنُ أَبِي ذَنْبٍ عَنْ یَزِيدَ بْنِ خُصِیْفَةَ عَنِ السَّائِبِ بْنِ یَزِيدٍ قَالَ كَانُوا یَقُومُونَ عَلَى عَهْدِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ بِعَشْرِیْنَ رُكْعَةً وَإِنْ كَانُوا لَیْقَرُّوْنَ بِالْمِائَتِیْنِ وَكَانُوا یَتَوَكَّؤْنَ عَلَى عَصِیَّتِهِمْ فِي عَهْدِ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانٍ مِنْ شِدَّةِ الْقِيَامِ۔

(السنن الکبری للبیہقی: ج 2 ص 496)

ترجمہ: حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں رمضان شریف میں بیس رکعات (نماز تراویح) پابندی سے پڑھتے تھے۔ فرماتے ہیں کہ وہ قرآن مجید کی دو سو آیات تلاوت کرتے تھے اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دور میں لوگ قیام کے (لمبا ہونے کی وجہ سے) اپنی (لاٹھیوں) پر ٹیک لگاتے تھے۔

فائدہ: اس کی سند بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔

تنبیہ: غیر مقلدین کی جانب سے دلیل نمبر 4 اور دلیل نمبر 5 پر ایک ہی اعتراض کیا گیا ہے جس کا جواب ماقبل میں سے دیا گیا ہے۔

دلیل نمبر 6:

قَالَ الْإِمَامُ الْحَافِظُ الْمُحَدِّثُ أَبُو دَاوُدَ حَدَّثَنَا شُجَاعُ بْنُ هَكْلَدٍ نَاهُشَيْمٌ أَنَا عَنِ الْحُسَيْنِ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ بَجَعَ النَّاسَ عَلَى أَبِي بَرْكَبٍ فِي قِيَامِ رَمَضَانَ، فَكَانَ يُصَلِّي بِهِمْ عَشْرِیْنَ رُكْعَةً۔

(سنن ابی داؤد ص 1429، سیر اعلام النبلاء للذہبی: ج 3 ص 176)

ترجمہ: حضرت حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے رمضان شریف میں نماز تراویح پڑھنے کے لیے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی امامت پر لوگوں کو جمع کیا تو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ان کو بیس رکعات (نماز تراویح) پڑھاتے تھے۔

اعتراض:

آل حدیث نے اس روایت پر دو اعتراض کیے ہیں:

- 1: ”عشرین رکعة“ کے الفاظ دیوبندی تحریف ہے۔ محمود الحسن دیوبندی (1268-1339) نے یہ تحریف کی ہے، ”عشرین لیلة“ بیس راتیں کی بجائے ”عشرین رکعة“ بیس رکعتیں کر دیا۔ (آٹھ رکعت نماز تراویح ص 9)
- 2: اس کی سند منقطع ہے کیونکہ حسن بصری نے عمر رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا تھا... نیز سرفراز خان صفدر دیوبندی نے حسن بصری کی ایک منقطع روایت پر جرح کی ہے۔ (ضرب حق: جولائی 2012ء مضمون علیہ فی لخصاً)

جواب:

ہر ایک کا جواب پیش خدمت ہے۔

شق اول کا جواب:

- اولاً:۔۔۔۔ حضرت ابوداؤد کا روای رحمہ اللہ ایک غیر مقلد سلطان محمود جلاپوری کے جواب میں فرماتے ہیں:
- ”ابوداؤد کے دو نسخے ہیں، بعض نسخوں میں عشرین رکعة اور بعض میں عشرین لیلة ہے۔ جس طرح قرآن پاک کی دو قراتیں ہوں تو دونوں کو ماننا چاہیے، ہم دونوں نسخوں کو تسلیم کرتے ہیں، لیکن حیلہ بہانے سے انکار حدیث کے عادی سلطان محمود جلاپوری نے اس حدیث کا انکار کر دیا اور الثا الزام علماء دیوبند پر لگا دیا۔“ (تجلیات صفدر ج 3 ص 316)
- ثانیاً:۔۔۔۔ جلیل القدر محدثین و محققین نے اس روایت کو نقل کیا اور ”عشرین رکعة“ ہی نقل کیا ہے، مثلاً:
- 1: علامہ ذہبی نے ابوداؤد کے حوالے سے ”عشرین رکعة“ نقل کیا۔ (سیر اعلام النبلاء ج 3 ص 176، 177، تحت ترجمہ ابی بن کعب رقم الترجمہ: 223)
 - 2: علامہ ابن کثیر۔ (جامع المسانید والسنن ج 1 ص 55)
 - 3: الشیخ محمد علی الصابونی۔ (الہدی النبوی الصحیح فی صلوۃ التراویح ص 56)
 - 4: شیخ الہند مولانا محمود حسن۔ (سنن ابی داؤد بتحقیق شیخ الہند ج 1 ص 211)
 - 5: نسخہ مطبوع عرب۔ (ص 1429 بحوالہ تجلیات صفدر ج 3 ص 316)
- یہ 5 حوالہ جات لا علم لوگوں کو چپ کرانے کے لیے کافی ہیں۔

فائدہ: حضرت عمر کے زمانے میں پڑھی جانے والی تراویح کے چھ راوی گزر چکے ہیں جو ”عشرین رکعة“ نقل کرتے ہیں (دلیل نمبر 4 کے تحت اعتراض کے جواب کے ذیل میں) یہ زبردست تائید ہے کہ ”عشرین رکعة“ والا نسخہ ابی داؤد بھی صحیح وثابت ہے۔ واللہ

شق دوم کا جواب:

- امام حسن بصری (ت 110ھ) کی یہ روایت مرسل ہے۔ مراسیل حسن بصری کے متعلق ائمہ محدثین کی آراء ملاحظہ ہوں:
- 1: امام علی بن المدینی فرماتے ہیں: حسن بصری کی وہ مرسل روایات جو ان سے ثقہ راوی روایت کریں ”صحیح“ ہوتی ہیں۔ (تدریب الراوی: ص 124)
 - 2: امام یحییٰ بن سعید القطان فرماتے ہیں: حسن بصری جب ”قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم“ کہہ کر حدیث بیان کرتے ہیں تو ہمیں اس کی اصل میں ایک یا دو حدیثیں مل جاتی ہیں۔ (تدریب الراوی: ص 124)
 - حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: امام یحییٰ بن سعید القطان کی مراد حسن بصری کی وہ مراسیل ہیں جنہیں وہ صیغہ جزم اور یقین کے ساتھ بیان کریں۔ (تدریب الراوی: ص 124)

ائمہ محدثین کی ان آراء کی روشنی میں عرض ہے کہ زیرِ نظر روایت امام حسن بصری سے ”ہشیم بن بشیر بن القاسم السلمی“ بیان کرتے ہیں جو صحیح البخاری، صحیح مسلم اور سنن اربعہ کے راوی ہیں اور ثقہ و ثبت راوی ہیں۔ (تقریب التہذیب: رقم الترجمة 7312) نیز حسن بصری اس روایت کو ”أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ يَجْعَلُ النَّاسَ عَلَى أَبِي بَنٍ كَعْبٍ فِي قِيَامِ رَمَضَانَ، فَكَانَ يُصَلِّيُ بِهِمْ عَشْرِينَ رَكْعَةً“ کہہ کر جزاً بیان کرتے ہیں۔ لہذا محدثین کے مذکورہ قاعدہ کی رو سے یہ روایت صحیح و حجت ہے۔ واللہ الحمد

تنبیہ:

علی زئی صاحب نے حسن بصری کی ایک منقطع روایت پر جرح کے لیے امام اہل السنۃ حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ دیا ہے۔ عرض ہے کہ حوالہ نقل کرتے ہوئے انصاف شرط ہے۔ امام اہل السنۃ نے ”الحسن عن عمران بن الحصین“ (متدرک الحاکم) پر جرح کی ہے جو مرسل تو ہے لیکن صیغہ ”عن“ کے ساتھ ہے، جزاً بیان نہیں ہوئی جبکہ ہماری پیش کردہ روایت صیغہ جزم ”أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ يَجْعَلُ النَّاسَ عَلَى أَبِي بَنٍ كَعْبٍ الْح“ کے ساتھ ہے۔ عنعنہ پر کی گئی جرح کو جزاً روایت پر فٹ کرنا غیر مقلدین ہی کا کام ہو سکتا ہے۔ کیا غیر مقلدین میں کوئی رجل رشید نہیں؟!

دلیل نمبر 7:

رَوَى الْإِمَامُ الْحَافِظُ الْمُحَدِّثُ زَيْدُ بْنُ عَلِيٍّ الْهَاشِمِيُّ فِي مُسْنَدِهِ كَمَا حَدَّثَنِي زَيْدُ بْنُ عَلِيٍّ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ عَنْ عَلِيٍّ أَنَّهُ أَمَرَ الَّذِي يُصَلِّيُ بِالنَّاسِ صَلَاةَ الْقِيَامِ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ أَنْ يُصَلِّيَ بِهِمْ عَشْرِينَ رَكْعَةً يُسَلِّمُ فِي كُلِّ رَكْعَتَيْنِ وَيُرَاحَ مَا بَيْنَ كُلِّ أَرْبَعِ رَكْعَاتٍ.

(مسند الامام زید بن علی ص 158)

ترجمہ: حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو حکم دیا جو لوگوں کو رمضان شریف کے مہینہ میں نماز (تراویح) پڑھاتے تھے کہ وہ ان کو بیس رکعات نماز (تراویح) پڑھائیں! ہر دو رکعتوں کے درمیان سلام پھیرے اور ہر چار رکعتوں کے درمیان آرام کے لیے کچھ دیر وقفہ کرے۔

اعتراض:

آل حدیث نے لکھا:

1: ”مسند زید“ اہل سنت کی کتاب نہیں، بلکہ شیعوں کی کتاب ہے۔

2: ”مسند زید“ کا بنیادی راوی ابو خالد عمرو بن خالد الواسطی کذاب (بہت جھوٹا) راوی ہے۔

(ضرب حق: جولائی 2012ء مضمون علی: نی)

جواب:

ہر شق کا جواب پیش خدمت ہے:

جواب شق اول:

اولاً..... ”مسند زید“ (المعروف بالمجموع الفقہی) شیعوں کی نہیں بلکہ سنیوں کی کتاب ہے۔ اس پر چند قرائن پیش ہیں:

[۱]: اس میں وضو کرتے ہوئے پاؤں کو دھونے کا ذکر ہے۔ (ص 53) جبکہ شیعہ پاؤں کو دھونے کے بجائے پاؤں پر مسح کرتے ہیں۔

[۲]: اس میں شروع نماز کے علاوہ پوری نماز میں رفع یدین نہ کرنے کا ذکر ہے۔ (ص 88) جبکہ شیعہ نماز کے اندر اور سلام کے وقت رفع یدین

کرتے ہیں۔

[۳]: اس میں تراویح کا ذکر ہے۔ (ص 158) جبکہ شیعہ اس کے سرے سے منکر ہیں۔

[۴]: اس میں سحری تاخیر سے کھانے اور افطاری جلدی کرنے کا ذکر ہے۔ (ص 211) جبکہ شیعہ کا عمل اس کے برعکس ہے۔

[۵]: اس میں ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے والی روایت موجود ہے۔ (ص 211) جبکہ شیعہ ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھتے ہیں۔

اور بھی بہت سے حوالہ جات جمع کیے جاسکتے ہیں۔

ان حوالہ جات سے ثابت ہوا کہ یہ اہل السنۃ کی کتاب ہے، اہل تشیع سے اس کا دور دور کا تعلق نہیں۔

ثانیاً..... اس کتاب کی اکثر احادیث کی تائید دیگر کتب اہل السنۃ سے بھی ہوتی ہے۔ مثلاً

(۱) حدیث نمبر 1 کی تائید.... از مؤطا امام مالک حدیث نمبر 32، صحیح بخاری حدیث نمبر 158، 162، 183، صحیح مسلم حدیث نمبر 236

(۲) حدیث نمبر 67 کی تائید... از صحیح مسلم حدیث نمبر 1389، سنن ابن ماجہ حدیث نمبر 725، مسند احمد حدیث نمبر 13815

(۳) حدیث نمبر 68 کی تائید... از مؤطا امام مالک حدیث نمبر 1، صحیح البخاری حدیث نمبر 499، سنن ابی داؤد حدیث نمبر 394

(۴) حدیث نمبر 70 کی تائید... از صحیح مسلم حدیث نمبر 648، سنن النسائی حدیث نمبر 859، سنن ابن ماجہ حدیث نمبر 1257

(۵) حدیث نمبر 78 کی تائید... از سنن الترمذی حدیث نمبر 3، سنن ابی داؤد حدیث نمبر 61، سنن ابن ماجہ حدیث نمبر 275

(۶) حدیث نمبر 85 کی تائید... از جامع الترمذی حدیث نمبر 312، سنن ابی داؤد حدیث نمبر 824، سنن النسائی حدیث نمبر 919

(۷) حدیث نمبر 102 کی تائید... از مؤطا امام مالک حدیث نمبر 149، صحیح البخاری حدیث نمبر 590، صحیح مسلم حدیث نمبر

(۸) حدیث نمبر 104 کی تائید... از صحیح مسلم حدیث نمبر 673، سنن الترمذی حدیث نمبر 235، سنن النسائی حدیث نمبر 783

(۹) حدیث نمبر 106 کی تائید... از مسند احمد حدیث نمبر 18641، مصنف ابن ابی شیبہ حدیث نمبر 3526

(۱۰) حدیث نمبر 108 کی تائید... از سنن الترمذی حدیث نمبر 230، صحیح ابن حبان حدیث نمبر 2200، مصنف عبدالرزاق حدیث نمبر 377

اس کے علاوہ بے شمار تائیدات موجود ہیں۔ یہ بھی اس بات کی قوی دلیل ہیں کہ یہ سنیوں کی کتاب ہے۔ زنی صاحب ودیگر غیر مقلدین

کا اس کو شیعوں کی کتاب کہہ کر انکار کرنا غلط ہے۔

جواب شق دوم:

اولاً... مقدمہ کتاب میں شائع کنندہ شیخ عبدالواسع بن یحییٰ الواسعی نے ابو خالد الواسطی کے حالات ذکر کیے اور ان پر کی گئی جروح کا جواب دیا ہے۔

(دیکھیے مقدمہ کتاب از ص 11 تا ص 15)

یہی وجہ ہے کہ مصر کے مفتی اعظم اور اپنے دور کے عظیم محقق عالم شیخ محمد نجیح مطیعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب کی سند کو صحیح قرار

دیا۔ فرماتے ہیں:

بالسند الصحيح الى الامام الشهيد زيد بن علي الخ. (مقدمہ کتاب مسند زید: ص 36)

ثانیاً... محدثین کا قاعدہ ہے کہ جس کتاب کی نسبت اپنے مصنف کی طرف مشہور ہو [کہ یہ کتاب فلاں مصنف کی ہے] تو مصنف سے لے کر ہم تک

اس کی سند دیکھنے کی حاجت نہیں رہتی۔ یہ شہرت اس سند کے دیکھنے سے بے نیاز کر دیتی ہے۔ چنانچہ علامہ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

لان الكتاب المشهور الغنى بشهرته عن اعتبار الاسناد من االى مصنفه (الکت لابن حجر ص 56)

اور یہ قاعدہ ان محدثین و محققین کے ہاں پایا جاتا ہے؛ امام سخاوی (فتح المغیث ج 1 ص 44)، امام ابن حجر (الکت ص 56)، علامہ جزائری

(توجیہ النظر ص 378)، امام سیوطی (تدریب الراوی ج 1 ص 147)، امام کرمانی (شرح بخاری ج 1 ص 7)

اور مسند زید (المعروف المجموع الفقہی) کا امام زید بن علی کی کتاب ہونا واضح ہے۔ سر دست چند حوالہ جات چند محققین اور خود غیر

مقلدین کے حوالہ جات پیش خدمت ہیں جنہوں نے اس کتاب کو حضرت امام زید کی کتاب مانا ہے:

1: علامہ شوکانی... (نیل الاوطار للشوکانی: ج 1 ص 297، ج 2 ص 244)

2: عمر رضا کمالہ.... (معجم المؤلفین: ج 4 ص 190)

3: غلام احمد حریری غیر مقلد... (تاریخ تفسیر و مفسرین: ص 550)

لہذا نیچے والی سند دیکھنے کی حاجت ہی نہیں۔ اس لیے اس اعتراض کو لے کر کتاب کا انکار کرنا مردود ہے۔

خلاصہ کلام: اس روایت سے بیس رکعت تراویح ثابت ہے۔

دلیل نمبر 8:

قَالَ الْإِمَامُ الْحَافِظُ الْمُحَدِّثُ ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ حَسَنِ بْنِ صَالِحٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ قَيْسٍ عَنْ أَبِي الْحُسَيْنِ أَنَّ عَلِيًّا أَمَرَ رَجُلًا يُصَلِّيَ بِهِمْ فِي رَمَضَانَ عَشْرِينَ رَكْعَةً.

(مصنف ابن ابی شیبہ ج 2 ص 285)

ترجمہ: حضرت ابو الحسناء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو رمضان میں بیس رکعات نماز (تراویح) پڑھائیں!

اعتراض:

غیر مقلدین کہتے ہیں کہ اس کی سند میں ابو الحسناء مجہول ہے.... اور اس کی سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے ملاقات ثابت نہیں۔

(ضرب حق: جولائی 2012ء مضمون علیزئی، وغیرہ)

گویا یہ روایت مرسل بھی ہے۔

جواب:

اولاً:۔۔۔ عند الاحناف خیر القرون کی جہالت، تدلیس اور ارسال جرح ہی نہیں اور شوافع کے ہاں متابعت سے یہ جرح ختم ہو گئی کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیس رکعت تراویح روایت کرنے میں ابو الحسناء اکیلے نہیں بلکہ سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ اور امام ابو عبد الرحمن سلمیٰ بھی یہی روایت کرتے ہیں۔ (تجلیات صفحہ ج 3 ص 328)

ثانیاً:۔۔۔ ابو الحسناء سے دوراوی یہ روایت نقل کر رہے ہیں:

1: عمرو بن قیس۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج 2 ص 285)

2: ابو سعید البقال۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ج 2 ص 497)

اور یہ دونوں بالترتیب ثقہ اور صدوق ہیں۔ (تقریب التہذیب ص 456 و 299)

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: من روى عنه اكثر من واحد ولم يوثق اليه الاشارة بلفظ مستور او مجهول الحال.

(تقریب التہذیب: ص 111)

ترجمہ: جس راوی سے ایک سے زائد راوی روایت کریں اور اس کی توثیق کی گئی ہو تو اس کی طرف لفظ مستور یا مجهول الحال سے اشارہ کیا جاتا ہے۔

یہاں ابو الحسناء سے بھی دوراوی یہ روایت نقل کر رہے ہیں۔ لہذا اصولی طور پر یہ مجهول نہیں بلکہ مستور راوی بنتا ہے۔ غیر مقلدین کا

اسے مجهول کہنا محل تعجب ہے۔

الحاصل ابو الحسناء مستور راوی ٹھہرتا ہے اور محدثین کے ہاں قاعدہ ہے کہ مستور کی متابعت کوئی دوسرا راوی کرے جو مرتبہ میں اس

سے بہتر یا برابر ہو تو اس کی روایت حسن ہو جاتی ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

”ومتی تُوبَح السیءُ الحفظُ مُعْتَبَرٌ: کَلَنْ یَکُونُ قَوْقَهُ، أَوْ مِثْلَهُ، لَا دُونَهُ، وَكَذَا الْمُخْتَلِطُ الَّذِی لَمْ یَتَمِیزْ، وَالْمُسْتَوْر، وَالْإِسْنَادُ

المرسل، وَكَذَا الْمَدْلَسُ إِذَا لَمْ یُعْرَفِ الْمَحْذُوفُ مِنْهُ صَارَ حَدِیْثُهُمْ حَسَنًا، لَا لِذَاتِهِ، بَلْ وَصْفُهُ بِذَلِكَ بِاعْتِبَارِ الْمَجْمُوعِ“

(نزهة النظر فی توضیح نخبة الفکر: ص 234)

ترجمہ: جب سئی الحفظ راوی کی متابعت کسی معتبر راوی سے ہو جائے جو مرتبہ میں اس سے بہتر یا برابر ہو کم نہ ہو، اسی طرح مختلط راوی جس کی روایت میں تمیز نہ ہو سکے اور اسی طرح مستور، مرسل اور مدلس کوئی تائید کر دے تو ان سب کی روایات حسن ہو جائیں گی اپنی ذات کی وجہ سے نہیں بلکہ مجموعی حیثیت کے اعتبار سے۔

ابو الحسناء کی متابعت ابو عبد الرحمن نے کی ہے۔ (السنن الکبری للبیہقی ج 2 ص 496)

اور یہ ابو الحسناء سے بڑھ کر ثقہ راوی ہے۔ اس لئے ابو الحسناء کی یہ روایت جمہور کے نزدیک بھی مقبول ہے۔ لہذا روایت صحیح و حجت ہے

اور اعتراض باطل و مردود ہے۔

دلیل نمبر 9:

عَنْ زَيْدِ بْنِ وَهْبٍ كَانَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْعُودٍ يُصَلِّي بِنَا فِي شَهْرِ رَمَضَانَ فَيَنْصَرِفُ وَعَلَيْهِ لَيْلٌ... كَانَ يُصَلِّي عَشْرِينَ رَكْعَةً وَيُؤْتِرُ بِثَلَاثٍ.

(قیام اللیل للمروزی ص 157)

ترجمہ: حضرت زید بن وہب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ رمضان شریف میں ہمیں نماز (تراویح) پڑھاتے اور گھر کو لوٹ جاتے تو رات ابھی باقی ہوتی تھی آپ رضی اللہ عنہ بیس رکعات (تراویح) اور تین رکعات وتر پڑھاتے تھے۔

اعتراض:

غیر مقلد علی بنی صاحب نے لکھا: یہ روایت بے سند ہے اور بے سند روایت مردود ہوتی ہے۔

(تعداد رکعات قیام رمضان کا تحقیقی جائزہ ص 81، ضرب حق: جولائی 2012ء، مضمون علی بنی)

جواب:

یہ روایت ”بے سند و مردود“ نہیں بلکہ اس کی مکمل سند عمدۃ القاری شرح البخاری للعلامة العینی میں موجود ہے۔ زئی صاحب وغیرہ کا ”بے سند“ کا راگ الاپنا انتہائی شرمناک ہے اور بذات خود مردود ہے۔ قارئین کے لیے افادۃ یہ سند یہاں نقل کی جاتی ہے:

رواہ محمد بن نصر المروزی قال أخبرنا يحيى بن يحيى أخبرنا حفص بن غياث عن الأعمش عن زيد بن وهب قال كان عبد

الله بن مسعود. (عمدة القاری ج 8 ص 246 باب فضل من قام رمضان)

اس کے راویوں کی توثیق پیش خدمت ہے۔ غیر مقلدین حضرات ملاحظہ کریں اور شوق سے ”موتوا بغیظکم“ کا مصداق بنیں۔

(1) یحییٰ بن یحییٰ:

ابوزکریا یحییٰ بن یحییٰ بن بکر بن عبد الرحمن التیمی۔ آپ صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن الترمذی اور سنن النسائی کے راوی ہیں۔ ثقہ، مثبت

اور امام ہیں۔ (تقریب التہذیب: 7668)

(2) حفص بن غیاث:

ابو عمر حفص بن غیاث النخعی القاضی۔ صحاح ستہ کے مرکزی راوی ہیں۔ ثقہ اور فقیہ ہیں۔ (تقریب التہذیب: 1430)

(3) الا عثم:

سليمان بن مهران الا عثم۔ صحيح البخاري، صحيح مسلم اور سنن اربعة کے راوی ہیں اور بالاتفاق ثقہ ہیں۔

(تقريب التهذيب: 2615، الجرح والتعديل: ج 4139)

(4) زيد بن وهب:

ابو سليمان زيد بن وهب الجهنی۔ آپ صحيح البخاري، صحيح مسلم اور سنن اربعة کے راوی ہیں اور ثقہ ہیں۔ (تقريب التهذيب: 2159)

(5) عبد اللہ بن مسعود:

آپ مشہور صحابی ہیں اور صحابہ میں بڑے علمی مقام کے مالک تھے۔ (تقريب التهذيب: 3613)

خلاصۃ التحقیق:

یہ سند امام بخاری اور امام مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔ واللہ الحمد

دلیل نمبر 10:

قَالَ الْإِمَامُ الْحَافِظُ الْمُحَدِّثُ ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ حَسَنِ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ رُفَيْعٍ قَالَ كَانَ أَبِي بَنِي كَعْبٍ يُصَلِّي بِالنَّاسِ فِي رَمَضَانَ بِالْمَدِينَةِ عَشْرِينَ رَكْعَةً وَيُؤْتِي بِقَلَابِثٍ

(مصنف ابن أبي شيبة ج 2 ص 285؛ الترغيب والترهيب للاصمباني ج 2 ص 368)

ترجمہ: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں رمضان کے مہینے میں لوگوں کو بیس رکعات نماز (تراویح) اور تین (رکعات) وتر پڑھاتے تھے۔

اعترض:

یہ روایت منقطع ہے۔ عبد العزیز رافع نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا تھا۔ (ضرب حق: جولائی 2012ء مضمون علیہ زی)

جواب:

امام عبد العزیز بن رافع م 130ھ صحاح ستہ کے راوی ہیں اور خیر القرون کے ثقہ محدث ہیں۔ (تقريب التهذيب: ص 389)
اور جمہور محدثین خصوصاً عند الاحناف خیر القرون کا ارسال و انقطاع مضر صحت نہیں۔ (تفصیل گزر چکی ہے) پس اعتراض باطل ہے۔

دلیل نمبر 11:

قَالَ الْإِمَامُ الْحَافِظُ الْمُحَدِّثُ ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ قَالَ ثَنَا وَكِيعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ قَيْسٍ عَنْ شَتِيرِ بْنِ شَكْلٍ أَنَّهُ كَانَ يُصَلِّي فِي رَمَضَانَ عَشْرِينَ رَكْعَةً وَالْوُتْرَ.

(مصنف ابن أبي شيبة ج 2 ص 285)

ترجمہ: حضرت شتیر بن شکل رحمہ اللہ (حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے ساتھی ہیں) رمضان شریف میں لوگوں کو بیس رکعات نماز (تراویح) اور وتر پڑھاتے تھے۔

اعترض:

اس روایت کی سند ابواسحاق سبیعی مدلس اور سفیان ثوری مدلس کے عن عن کی وجہ سے ضعیف ہے۔ (ضرب حق: جولائی 2012ء مضمون علیہ زی)

جواب نمبر 1:

ابو اسحاق السبعی (ت 129ھ):

آپ خیر القرون کے ثقہ، مکثر اور عابد راوی ہیں۔ صحاح ستہ میں آپ سے روایات لی گئی ہیں۔ (تقریب التہذیب: 5065)

سفیان بن سعید الثوری (ت 161ھ):

آپ خیر القرون کے محدث ہیں۔ صحاح ستہ کے راوی ہیں۔ ثقہ، حافظ، فقیہ، عابد، امام اور حجت ہیں۔ (تقریب التہذیب: 2445)

اور احناف کے نزدیک خیر القرون کی تدلیس صحت حدیث کے منافی نہیں۔ (قواعد فی علوم الحدیث للعثماني: ص 159 وغیرہ)
لہذا روایت صحیح ہے اور اعتراض باطل ہے۔

جواب نمبر 2:

تدلیس کے اعتبار سے محدثین نے رواۃ حدیث کے مختلف طبقات بنائے ہیں، بعض طبقات کی روایات کو صحت حدیث کے منافی جبکہ دوسرے بعض کی روایات کو مقبول قرار دیا ہے۔ مذکورہ دوراویوں کے بارے میں تحقیق پیش خدمت ہے:

ابو اسحاق السبعی..... علامہ ابو سعید العلانی نے مدلسین کے تیسرے طبقہ کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ اگر یہ طبقہ اپنی روایت میں تصریح سماع نہ کرے تو ایک جماعت ان کی روایت میں توقف کرتی ہے لیکن دوسرے حضرات محدثین نے حسن بصری، قتادہ بن دعامہ، ابو اسحاق السبعی، ابو زبیر المکی، ابو سفیان طلحہ بن نافع اور عبد الملک بن عمیر کی روایات کو مطلقاً قبول کیا ہے۔ علامہ العلانی کے طرز بیان سے اسی موقف کو ترجیح ہوتی ہے۔ آپ کے الفاظ یہ ہیں:

وقبلهم آخرون مطلقاً كالطبقة التي قبلها لأحد الأسباب المتقدمة كالحسن وقتادة وأبي إسحاق السبعي وأبي الزبير المكي وأبي سفیان طلحة بن نافع وعبد الملك بن عمير. (جامع التحصيل للعلانی: ص 113)

امام حاکم رحمہ اللہ نے بھی مجملہ انہی حضرات کے بارے میں کہا ہے کہ ان کی تدلیس کسی بھی کتاب میں صحت حدیث کے منافی نہیں۔ آپ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فمن المدلسين من دلس عن الثقات الذين هم في الثقة مثل المحدث أو فوقه أو دونه إلا أنهم لم يخرجوا من عداد الذين يقبل أخبارهم فمنهم من التابعين أبو سفیان طلحة بن نافع وقتادة بن دعامة وغيرهما. (معرفت علوم الحديث للحاكم ص: 103)

[واضح رہے کہ امام حاکم نے بھی انہی حضرات کا نام لیا ہے، ابو اسحاق السبعی کے نام کی صراحت اگرچہ نہیں کی لیکن اس طبقہ کے حضرات کا ذکر کر کے ”وغیرہما“ کہنے میں باقی حضرات مثلاً حسن بصری، ابو اسحاق السبعی، ابو زبیر المکی اور عبد الملک بن عمیر کی طرف واضح اشارہ ہے اور اس طرز کی تعبیرات اہل علم پر مخفی نہیں]

علامہ ابن حزم محدثین کا ضابطہ بیان کرتے ہوئے ان مدلسین کی فہرست بتاتے ہیں جن کی روایتیں باوجود تدلیس کے صحیح ہیں اور ان کی تدلیس سے صحت حدیث پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

منهم كان جلة أصحاب الحديث وأئمة المسلمين كالحسن البصري وأبي إسحاق السبعي وقتادة بن دعامة وعمر بن دينار وسليمان الأعمش وأبي الزبير وسفيان الثوري وسفيان بن عيينة.

(الاحكام لابن حزم ج 2، ص 141، 142 فصل من يلزم قبول نقله الاخبار)

اور اس میں یہی امام ابو اسحاق السبعی بھی ہیں۔

امام سفیان بن سعید الثوری.... آپ کو محدثین کی ایک جماعت جن میں امام ابو سعید العلانی، علامہ ابن حجر، محدث ابن العجمی شامل ہیں، نے ”طبقہ

ثانیہ“ میں شمار کیا ہے۔ (جامع التحصیل فی احکام المراسیل ص 113، طبقات المدلسین ص 64، التعلیق الامین علی کتاب التسمیین لاسماء المدلسین ص 92)

نیز عصر حاضر میں الدکتور العواد الخلف اور سید عبدالمجید الغوری نے بھی امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کو مرتبہ / طبقہ ثانیہ میں شمار کیا ہے۔ (روایات المدلسین للعواد الخلف ص 170، التذلیس والمدلسون للغوری ص 104)

خود علی زئی غیر مقلد کے ”شیخ“ بدیع الدین راشدی غیر مقلد نے بھی امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کو طبقہ ثانیہ میں شمار کیا ہے۔ (جزء منظوم ص 89)

اور محدثین نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ طبقہ ثانیہ کے مدلس کی روایت مقبول ہے، اس کی تدلیس صحت حدیث کے منافی نہیں۔ (التذلیس والمدلسون للغوری ص 104، جامع التحصیل فی احکام المراسیل ص 113، روایات المدلسین للعواد الخلف ص 32)

(مزید دیکھیے قافلہ حق: جلد نمبر 6 شمارہ نمبر 3)

لہذا یہ روایت صحیح و حجت ہے اور امام ابواسحاق السبعی اور امام سفیان الثوری کے عن عن کی وجہ سے ضعف کا الزام لگانا باطل ہے۔

دلیل نمبر 12:

قَالَ الْإِمَامُ الْحَافِظُ الْمُحَدِّثُ ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا عَنْ شُعْبَةَ عَنْ خَلْفٍ عَنْ رَبِيعٍ وَالثَّلْثَى عَلَيْهِ خَيْرٌ عَنْ أَبِي الْبَخْتَرِيِّ أَنَّهُ كَانَ يُصَلِّيَ خَمْسَ تَرَوِيحَاتٍ فِي رَمَضَانَ وَيُؤْتِي بِثَلَاثٍ.

(مصنف ابن ابی شیبہ ج 2 ص 285)

ترجمہ: حضرت ابوالبختری رحمہ اللہ رمضان شریف میں (نماز تراویح) پانچ ترویجے (بیس رکعات) اور تین و تیر پڑھاتے تھے۔

اعتراض:

غیر مقلدین نے لکھا:

یہ روایت اس وجہ سے ضعیف ہے کہ اس کے دو راویوں خلف اور ربیع دونوں کا تعین نامعلوم ہے۔ (ضرب حق: جولائی 2012ء، از علی زئی)

جواب:

یہ اعتراض بھی چند وجوہ سے مردود ہے، اس لیے کہ:

اولاً... ”خلف“ راوی سے روایت کرنے والے امام شعبہ ہیں اور امام شعبہ کی عادت ہے کہ آپ ثقہ ہی سے روایت کرتے ہیں۔ علامہ ابن حجر لکھتے ہیں:

من عرف من حاله أنه لا يروى عن ثقة فإنه إذا روى عن رجل وصف بكونه ثقة عنده كمالك وشعبة الخ.

(لسان الميزان: ج 1 ص 14)

کہ اگر کسی شخص کے بارے میں معلوم ہو کہ اس کی عادت صرف ثقہ سے روایت کرنے کی ہے، پھر وہ کسی سے روایت کرتا ہے تو یہ شخص اس کے ہاں ثقہ تصور کیا جائے گا جیسے امام مالک اور امام شعبہ وغیرہ

خود غیر مقلدین کے ہاں بھی یہی اصول ہے کہ امام شعبہ اس راوی سے روایت لیتے ہیں جو ثقہ ہو اور اس کی احادیث صحیح ہوں۔

(القول المقبول فی شرح صلوٰۃ الرسول: ص 386، نیل الاوطار: ج 1 ص 16)

جب خلف ثقہ ہے تو تعین کی چنداں ضرورت نہیں۔ علاوہ ازیں غور کیا جائے تو خلف سے مراد خلف بن حوشب الکوفی ہیں جو چھٹے طبقہ

کے ثقہ راوی ہیں۔ (التقریب: ص 194) اس پر دلیل یہ ہے کہ خلف بن حوشب الکوفی سے روایت کرنے والوں میں اول نام شعبہ بن الحجاج کا ملتا

ہے جیسا کہ علامہ ابن حجر نے اس کا ذکر کیا ہے۔ (دیکھیے تہذیب التہذیب: ج 3 ص 129)

مزید تفصیل دیکھیے: اعلیٰ السنن للعثماني: ج 7 ص 77، ص 78

ثانیاً.... ”ربیع“ کے بارے میں خود مصنف ابن ابی شیبہ کی سند میں صراحت ہے: ”وَإِنِّي عَلَىٰ خَيْرٍ“ جو خود اس راوی کی توثیق کی دلیل ہے۔ اس لیے اس کی تعیین کی ضرورت نہیں ہے۔

خلاصہ: اس صحیح السند روایت سے بیس رکعت تراویح ثابت ہے۔ واللہ الحمد

دلیل نمبر 13:

قَالَ الْإِمَامُ الْحَافِظُ الْمُحَدِّثُ ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا الْفَضْلُ بْنُ دُكَيْنٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ عُبَيْدٍ أَنَّ عَلِيَّ بْنَ رَبِيعَةَ كَانَ يُصَلِّي بِهِمْ فِي رَمَضَانَ خَمْسَ تَرَوِيحَاتٍ وَيُوتِرُ بِثَلَاثٍ.

(مصنف ابن ابی شیبہ ج 2 ص 285)

ترجمہ: حضرت علی بن ربیعہ رحمہ اللہ رمضان شریف میں لوگوں کو پانچ ترویکے (بیس رکعات نماز تراویح) اور تین رکعات وتر پڑھاتے تھے۔

اعتراض:

غیر مقلدین نے لکھا:

”تابعی کے اس اثر سے استدلال کئی وجہ سے غلط ہے: 1: یہ نہ تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے اور نہ کسی صحابی کا اثر ہے۔

2: تابعی مذکور سے یہ ثابت نہیں کہ بیس رکعات سنت موکدہ ہیں اور ان سے کم و زیادہ جائز نہیں۔ (ضرب حق: جولائی 2012ء، مضمون: علیرنی)

جواب:

اولاً.... آثار تابعین سے استدلال کرنا جلیل القدر محدثین (اصلی الہدایت) کا طریقہ ہے بلکہ تبع تابعین کے آثار سے بھی محدثین استدلال کرتے ہیں۔ سردست امیر المؤمنین فی الحدیث امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے دو حوالہ جات ملاحظہ ہوں:

1: وَقَالَ عَطَاءٌ آمِينَ دُعَاءً. (صحیح البخاری: ج 1 ص 107)

کہ عطاء (تابعی) کہتے ہیں کہ آمین دعاء ہے۔

2: وَصَاحَ مُحَمَّدُ بْنُ زَيْدٍ ابْنُ الْمُبَارَكِ بِبَيْدِيَّةٍ. (صحیح البخاری: ج 2 ص 926)

کہ حماد بن زید نے ابن المبارک سے دوہاتھوں سے مصافحہ کیا۔ (یہ دونوں تبع تابعی ہیں)

لہذا غیر مقلدین کو چاہیے کہ ”آثار تابعین“ وغیرہ کو بلاوجہ رد کرنے سے باز رہیں اور ”الہدایت“ ہونے کا جھوٹا دعویٰ کر کے عوام کو دھوکہ نہ دیں۔

ثانیاً.... فرقہ الہدایت کا یہ کہنا کہ ”تابعی مذکور سے یہ ثابت نہیں کہ بیس رکعات سنت موکدہ ہیں اور ان سے کم و زیادہ جائز نہیں“ سوائے شیطانی وسوسہ کے کچھ نہیں۔ اس لیے کہ علی بن ربیعہ کا بیس رکعت پڑھنا ہی دلیل ہے کہ تراویح کی تعداد بیس رکعت ہی ہے۔ اگر اس سے کم ہوتی تو راوی ضرور بیان فرماتے۔ حیرت ہے غیر مقلدین کی عقل پر!!

تنبیہ: اگر غور سے دیکھا جائے تو غیر مقلدین کا یہ اعتراض اور روایات کو اس طرح رد کرنے کا طرز عمل انکار حدیث کا چور دروازہ کھولنے کے مترادف ہے۔ اس لیے کہ احادیث میں کئی احکامات ایسے ہیں جو منقول تو ہیں لیکن صراحت سے یہ ثابت نہیں کہ ان سے کم و زیادہ جائز نہیں.... تو کیا غیر مقلدین کے اصول کے تحت ان احادیث و احکام کا انکار کر دیا جائے؟! (معاذ اللہ)

دلیل نمبر 14:

قَالَ الْإِمَامُ الْحَافِظُ الْمُحَدِّثُ ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا ابْنُ مُيَزَّرٍ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ عَنْ عَطَاءٍ قَالَ أَدْرَكْتُ النَّاسَ وَهُمْ يُصَلُّونَ ثَلَاثًا وَعِشْرِينَ رَكْعَةً بِأَلْوَثٍ.

(مصنف ابن ابی شیبہ ج 2 ص 285)

ترجمہ: جلیل القدر تابعی حضرت عطار حمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے (صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ جیسے) لوگوں کو بیس رکعات تراویح اور تین رکعات وتر پڑھتے پایا ہے۔

اعتراض:

اس اثر میں لوگوں سے کون مراد ہیں؟؟ کوئی وضاحت نہیں اور عین ممکن ہے کہ تابعین مراد ہو اور بعض تابعین کا اختلافی عمل ادلہ اربعہ میں سے کوئی دلیل نہیں ہے۔ (ضرب حق: جولائی 2012ء مضمون علیہ)۔

جواب:

1: اس اثر میں حضرت عطاء بن ابی رباح ہیں جنہوں نے دو سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زیارت کی ہے۔

(نماز نبوی: ص 124 تحقیق و تخریج زبیر علیہ)

یقینی بات ہے کہ ”لوگوں“ سے مراد اس دور کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمہم اللہ ہیں، اور صحابہ و تابعین کا عمل حجت ہے۔

2: آل حدیث کا یہ کہنا ”.... تابعین کا اختلافی عمل ادلہ اربعہ میں سے کوئی دلیل نہیں ہے۔“ مردوہ ہے، اس لیے کہ ادلہ اربعہ میں سے دوسری دلیل ”سنت“ ہے، جس کی تعریف یہ ہے:

الطريقة المسلوكة في الدين. (كتب اصول)

کہ دین میں جاری طریقے کا نام سنت ہے۔

ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمہم اللہ کا عمل بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جاری عمل (20 رکعت) کا ایک تسلسل ہے جو یقیناً دلیل شرعی ہے۔ غیر مقلدین کا اسے دلیل نہ ماننا انتہائی شرمناک ہے۔

تنبیہ:

خود معترض (علیہ السلام) نے ”القول المبين“ (ص 53) میں ایک روایت نقل کی جس کا ترجمہ خود اسی کے الفاظ میں یہ ہے:

”میں نے عکرمہ (تابعی) سے سنا وہ کہہ رہے تھے، میں نے لوگوں کو (ان مساجد میں) اس حال میں پایا کہ جب امام ﴿غیر المغضوب

عليهم ولا الضالين﴾ کہتا تو لوگوں کے آمین کہنے سے مسجد گونج اٹھتی تھی۔“

یہاں بھی لفظ ”لوگوں“ ہے لیکن علیہ السلام صاحب طوطے کی طرح آنکھیں بند کر کے یہاں سے گزر گئے اور یہ ”فرمانے“ کی زحمت گوارا

نہ کی کہ ”اس اثر میں لوگوں سے کون مراد ہیں؟؟ کوئی وضاحت نہیں اور عین ممکن ہے کہ تابعین مراد ہو اور بعض تابعین کا اختلافی عمل ادلہ اربعہ میں سے کوئی دلیل نہیں ہے۔“

واقعی اس قوم نے خیانت میں یہود کے بھی کان کاٹ دیے۔

دلیل نمبر 15:

قَالَ الْإِمَامُ الْحَافِظُ الْمُحَدِّثُ ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنْ حَجَّاجٍ عَنْ ابْنِ إِسْحَاقَ عَنِ الْحَارِثِ أَنَّهُ كَانَ يُؤْمَرُ النَّاسَ فِي رَمَضَانَ بِاللَّيْلِ بِعِشْرِينَ رَكْعَةً وَيُؤْتَرُ بِثَلَاثٍ وَيَقْنُتُ قَبْلَ الرُّكُوعِ.

(مصنف ابن ابی شیبہ ج 2 ص 285)

ترجمہ: حضرت حارث رحمہ اللہ لوگوں کو رمضان شریف میں بیس رکعات نماز (تراویح) اور تین و تر باجماعت پڑھاتے تھے اور (دعائے قنوت (جو کہ وتر میں پڑھی جاتی ہے) کو کوع سے پہلے پڑھتے تھے۔

اعتراض:

آل حدیث نے لکھا:

- 1: یہ روایت ابو معاویہ الضریر، حجاج بن ارطاة اور ابواسحاق المدلسین کے عن عن عن کی وجہ سے حارث الاغور سے ثابت نہیں۔
- 2: حارث اغور بذات خود جمہور کے نزدیک مجروح، نیز شیعہ اور بقول امام شعبی: کذاب تھا۔

(ضرب حق: جولائی 2012ء، مضمون علی: نی)

جواب:

ہر شق کا جواب پیش خدمت ہے:

شق اول کا جواب:

اولاً... جمہور محدثین خصوصاً احناف کے نزدیک خیر القرون کی تدلیس مقبول ہے، موجب جرح نہیں۔

(قواعد فی علوم الحدیث: ص 159، تجلیات صفدر: ج 3 ص 328)

ثانیاً...

(1) ابو معاویہ الضریر (م 295ھ) کو حافظ ابن حجر نے دوسرے طبقہ میں شمار کیا ہے۔ (طبقات المدلسین ص 73)

اور دوسرے طبقہ کی تدلیس موجب جرح نہیں ہے۔

(2) حجاج بن ارطاة (م 145ھ) خیر القرون کے راوی ہیں جن کی تدلیس موجب جرح نہیں۔ (حوالہ گزر چکا ہے)

(3) ابواسحاق السبئی (م 129ھ) کی تدلیس کسی بھی کتاب میں موجب جرح نہیں۔ (ابواسحاق السبئی کے بارے میں دلیل نمبر 11 پر اعتراض کے جواب کے ذیل میں تفصیل سے کلام گزر چکا ہے)

ان حقائق کی روشنی میں عنعنہ کی وجہ سے روایت کے ضعف اور عدم ثبوت کا الزام مردود ہے۔

شق دوم کا جواب:

حارث اغور پہ بعض محدثین کی جو جرح منقول ہے اس میں سے بعض خلاف واقع ہے اور بعض کا تعلق روایت حدیث سے نہیں بلکہ محض رائے اور فہم سے ہے۔ چنانچہ حارث اغور کے متعلق چند باتیں پیش خدمت ہیں:

اول:

حارث اغور کی تعدیل و توثیق ان حضرات نے کی ہے:

- 1: امام یحییٰ بن معین (قال): الحارث الاغور قد سمع من ابن مسعود، هو الحارث بن عبد اللہ، لیس بہ باس۔ کہ حارث اغور نے حضرت عبد اللہ بن مسعود سے روایات سنی ہیں، یہ حارث بن عبد اللہ ہے۔ یہ لا باس بہ ہے۔ (”لا باس بہ“ کلمہ توثیق ہے)

(تاریخ ابن معین رقم 1427-1751)

- 2: الدارمی عن ابن معین: وسالته: ای حال الحارث فی علی؟ فقال: ثقة. کہ میں نے ابن معین سے حارث کا حال پوچھا تو فرمایا: ثقہ ہے۔

(تاریخ الدارمی: رقم 233)

3: النسائی (قال): ليس به باس. (سير اعلام النبلاء ج 4 ص 153)

4: الذہبی (قال): وكان من اوعية العلم. کہ حارث اعور علم کا سرچشمہ تھے۔ (میزان الاعتدال للذہبی ج 1 ص 437)

5: محمد بن سیرین (قال): كان من اصحاب ابن مسعود خمسة يوخذ عنهم، ادركت منهم اربعة وفاتني الحارث فلم اره. وكان يفضل عليهم وكان احسنهم. کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود کے پانچ شاگردوں سے (ابن مسعود کا) علم حاصل کیا جاتا ہے، ان میں سے چار سے میں علم حاصل کر چکا ہوں لیکن حارث (اعور) سے میری ملاقات نہ ہو سکی، حارث ان چار پر فضیلت رکھتے تھے اور ان سے بہتر تھے۔

(میزان الاعتدال ج 1 ص 438)

6: ابن حبان: اخرج عنه في صحيحه. ان سے اپنی صحیح میں روایت لی ہے۔ (صحیح ابن حبان: رقم 3252)

تنبیہ: معترض زبیر علی زئی کے نزدیک ابن حبان کا تخریج کرنا دلیل صحت ہے۔ (المقول المتین: ص 25)

دوم:

زئی صاحب نے کہا: (حارث اعور) بقول امام شعبی: کذاب تھا۔

عرض ہے کہ زئی صاحب نے امام شعبی کا قول نقل تو کیا لیکن اس کا مطلب و مفہوم چھٹی کا دودھ سمجھ کر پی گئے ہیں۔ لیجئے! ہم اس کا واضح مطلب محدثین کے بیانات کی روشنی میں عرض کرتے ہیں۔ علامہ ابن شاہین اپنی کتاب ”تاریخ اسماء الثقات“ میں نقل کرتے ہیں:

وقال أحمد بن صالح الحارث الاور ثقة ما احفظه وأحسن ما روى عن علي وإثني عليه... قيل لأحمد بن صالح فقول

الشعبي حدثنا الحارث وكان كذا با فقال: لم يكن يكذب في الحديث إنما كان كذبه في رأيه. (تاريخ اسماء الثقات: ص 71، ص 72)

کہ احمد بن صالح نے فرمایا: حارث اعور ثقہ تھے اور قوی حافظہ کے مالک تھے۔ احمد بن صالح نے حارث اعور کی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی روایات کی تعریف و تحسین کی۔ احمد بن صالح سے پوچھا گیا کہ شعبی تو حارث اعور کو کذاب کہتے ہیں۔ آپ نے جواب دیا: حدیث بیان کرے میں وہ کذاب نہیں تھے بلکہ وہ جو بات اپنی رائے سے کہتے تھے کذب کی نسبت اس رائے کی طرف ہے۔

امام شعبی کے قول کا یہی مطلب ان حضرات نے بھی بیان کیا ہے:

☆ حافظ ابن عبد البر المالکی (م 463ھ).... [حاشیہ موارد الزمان بتحقیق حسین سلین اسد: ج 4 ص 43]

☆ حافظ شمس الدین الذہبی (م 748ھ).... [سير اعلام النبلاء: ج 4 ص 153]

☆ حافظ ابن حجر (م 852ھ).... [تقریب التہذیب: رقم الحدیث 1029]

رائے میں نسبت کذب کو روایت میں کذب بنا کر پیش کرنا علی زئی جیسے لوگوں کا ہی کام ہے۔ اللہ تعالیٰ خیانت سے محفوظ فرمائے۔

سوم:

بقول علی زئی حارث اعور شیعہ ہے۔ لہذا روایت مردود ہے

عرض ہے کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں:

1: بدعت مکفرہ (کافر بنادینے والی بدعت)

2: بدعت مفسدہ (فاسق بنادینے والی بدعت)

اگر کوئی شخص دین کے ضروری اور فطری امور کا انکار کر دیتا ہے جو تو اتر سے ثابت ہوں یا ان کے برعکس اعتقاد رکھتا ہو تو یہ ”بدعت

مکفرہ“ ہے۔ جس راوی میں یہ صفت ہو تو اس کی روایت جمہور کے ہاں مردود ہوتی ہے۔ (نزہۃ النظر: ص 232 وغیرہ)

اگر کوئی شخص ایسی بدعت کا مرتکب ہو جو اس کو فاسق بنادیتی ہے تو اس کی روایت قابل قبول ہوگی بشرطیکہ وہ عادل و ضابط ہو اور اپنی

بدعت کی طرف دعوت نہ دیتا ہو اور نہ ایسی روایت بیان کرتا ہو جو اس کی بدعت کو تقویت دیتی ہو۔ (مقدمہ ابن الصلاح: ص 103، ہدی الساری: ص 385 وغیرہ)

اس تفصیل کی روشنی میں عرض ہے کہ تشیع کی دو قسمیں ہیں:

1: تشیع بلا غلو

2: تشیع مع الغلو (جس کو رفض کامل بھی کہتے ہیں)

قسم اول کی روایت صدق و امانت کے ساتھ مقبول ہے کیونکہ یہ راوی اس بدعت کے ساتھ ساتھ نیک، صادق الحجج اور دین دار ہوتے ہیں۔ اسے بدعت صغریٰ بھی کہتے ہیں۔ اس قسم کو راویوں کی روایات مقبول ہوتی ہیں۔ چنانچہ علامہ ذہبی لکھتے ہیں:

فهذا كثير في التابعين وتابعيهم مع الدين والورع والصدق، فلورد حديث هؤلاء لذهب جملة من الآثار النبوية، وهذه مفسدة بينة. (سير اعلام النبلاء: ج 4 ص 153)

یہ قسم بہت سے تابعین اور تبع تابعین میں پائی جاتی ہے، اس کے ساتھ ساتھ ان حضرات میں دین داری، عبادت و ریاضت اور صدق کی صفات پائی جاتی ہیں۔ اگر ان کی حدیث کو رد کر دیا جائے تو تمام آثار نبویہ جاتے رہیں گے اور یہ بہت بڑا مفسدہ ہے۔

چنانچہ ”ابان بن تغلب الکوفی“ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

أبان بن تغلب الكوفي شيعي جلد، لكنه صدوق، فلما صدقه وعليه بدعته وقد وثقه أحمد بن حنبل، وابن معين، وأبو حاتم. (سير اعلام النبلاء: ج 4 ص 153)

کہ ابان بن تغلب کوفی شیعہ تو ہے لیکن سچا ہے۔ ہمیں اس کا سچا ہونا مبارک اور اس کو اس کا بدعتی ہونا مبارک۔ اس کو احمد بن حنبل، ابن معین اور ابو حاتم الرازی نے ”ثقة“ قرار دیا ہے۔

جبکہ کچھ رواۃ اس کے برعکس ہوتے ہیں اور جھوٹ بولنا اور تقیہ کرنا ان کے نزدیک جزو ایمان ہوتا ہے اور حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی گستاخی ان کی رگ رگ میں بسی ہوتی ہے۔ اسے بدعت کبریٰ کہتے ہیں اور اس قسم کے راویوں کی روایت مردود ہے۔ علامہ ذہبی لکھتے ہیں:

فهذا النوع لا يحتج بهم ولا كرامة. (سير اعلام النبلاء: ج 4 ص 153)

کہ اس قسم کے راویوں کی روایت کو ہر گز دلیل نہیں بنایا جاسکتا اور نہ یہ لوگ کسی عزت و احترام کے مستحق ہیں۔

حارث عور پر جو الزام تشیع ہے وہ قسم اول کا ہے جس کی روایت صدق و امانت کی شرائط کے ساتھ مقبول ہوتی ہے۔ اس کے متعلق محدثین کے توثیقی کلمات ماقبل میں گزر چکے ہیں۔ اگر یہ تشیع میں غالی، جھوٹا اور تقیہ باز ہوتا (معاذ اللہ) تو محدثین اس کی توثیق ہر گز نہ فرماتے۔ نیز یہ بات بھی قابل غور ہے کہ شیعہ تراویح کے سرے سے منکر ہیں۔ اگر یہ راوی غالی اور مردود الروایۃ شیعہ ہوتا تو تراویح کے خلاف روایت کرتا جبکہ معاملہ بالکل اس کے برعکس ہے۔ یہ بھی قوی دلیل ہے کہ یہ مردود الروایۃ نہیں بلکہ مقبول الروایۃ ہے۔

الزام تشیع کی تفصیلی تردید کے لیے دیکھیے: حاشیہ موارد الظمان بتقیق حسین سلیم اسد الدارانی: ج 4 ص 45 تا ص 48

لہذا زنی صاحب کا اس کو شیعہ قرار دے کر روایت کو رد کرنا اصلاً مردود ہے۔

خلاصہ کلام:

ان تین باتوں کی روشنی میں تحقیقی فیصلہ یہ ہے کہ حارث عور پر بعض لوگوں کی جرح ہے لیکن جید حضرات کی توثیق بھی ثابت ہے۔ الزام کذب فی الروایۃ غلط ہے اور الزام تشیع بھی ایسا نہیں کہ ان کی روایت کو رد کر دیا جائے۔ لہذا یہ حسن الحدیث راوی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ درج ذیل حضرات نے اس کی روایت کو ”صحیح“ یا کم از کم ”حسن“ قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

- 1: ناصر الدین الالبانی: الحارث الاعور سے مروی ایک روایت کی سند کو ”صحیح“ قرار دیا ہے۔ (سنن ابی داؤد باحکام الالبانی: تحت ج 2079)
 - 2: شعیب الارنؤوط: اس سے مروی ایک روایت کی سند کو ”صحیح“ قرار دیا ہے۔ (صحیح ابن حبان بتحقیق الارنؤوط: تحت ج 3252)
 - 3: حسین سلیم اسد الدارانی: اس سے مروی روایات کی سند کو ”حسن“ قرار دیا ہے۔ (حاشیہ موارد الظمان: ج 4 ص 43، سنن الدارمی: ج 1 ص 235)
 - 4: ابو یوسف محمد بن حسن المصری: اس سے مروی ایک روایت کی سند کو ”حسن“ قرار دیا ہے۔ (حاشیہ مسانید ابی یحییٰ فراس بن یحییٰ: ص 87)
- لہذا یہ روایت صحیح یا کم از کم حسن درجہ کی ہے اور اس سے بیس رکعت تراویح ثابت ہے۔
- وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمین.